



# فہم توحید باری تعالیٰ کے چار بنیادی اصول

تالیف: شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب - رحمہ اللہ -

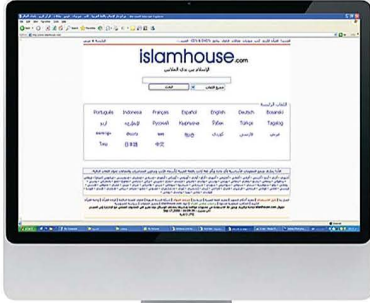
شرح و تعلق: الشیخ محمد بن سعد بن عبدالرحمن الحنین



توحید باری تعالیٰ کے چار بنیادی اصول



ہمیں دنیا کی ۹۰ سے زائد  
زندہ و حساس زبانوں میں اسلام کے  
نشر و اشاعت کی سعادت حاصل ہے



نشر الإسلام

ب ۹۰ لغة

islamhouse.com

المكتب التعاوني للدعوة وتوعية الجاليات بالربوة  
هاتف: +966 14 40 04 96 فاكس: +966 14 97 04 96 ص.ب: الرياض 11457

**ISLAMIC PROPAGATION OFFICE IN RABWAH**

P.O.BOX 29465 ARRIYADH 11457 TEL: +96614454900 FAX: +96614970126

# فہم توحید باری تعالیٰ کے چار بنیادی اصول

تالیف: شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب - رحمہ اللہ -

شرح و تعلق: لشیخ محمد بن سعد بن عبدالرحمن الحنین

ترجمہ: أبو أسعد قطب محمد الاثری

تصحیح و مراجعہ

د / عبدالرحمن بن عبد الجبار الفریوائی

استاذ حدیث جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض

دفتر تعاون برائے دعوت و ارشاد و توعیۃ الجالیات ربوہ، ریاض

شرح  
القواعد الأربع  
باللغة الأردنية

للإمام محمد بن عبد الوهاب - رحمه الله -

تأليف

فضيلة الشيخ محمد بن سعد بن عبد الرحمن الحنين

ترجمة

أبو أسعد قطب محمد الأثري

تصحيح ومراجعة

د/ عبد الرحمن بن عبد الجبار الفريوائي

عضو هيئة التدريس بجامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية الرياض

١٤٣٢هـ / ٢٠١١م

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مقدمۃ الشارح

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين  
نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين. أما بعد:

سب سے بہتر چیز جس میں سبقت کرنے والے، اور آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے والے مقابلہ کرتے ہیں، جو آدمی کی زندگی میں سعادت مندی، اور نیک بختی اور آخرت میں کامیابی کی ضامن و کفیل ہو، اور راہ سعادت کے لیے رہنمائی کا کام دے، وہ مفید اور نفع بخش علم اور عمل صالح ہے، ان دونوں کے بغیر آدمی کی سعادت ناممکن ہے بلکہ مفید علم اور نیک عمل کے اسباب سے جڑے بغیر کسی طرح کی نجات و چھٹکارے کا تصور ممکن نہیں ہے، جس شخص یہ دونوں چیزیں مل جائیں، حقیقت میں وہی کامیابی اور کامرانی سے ہمکنار ہوگا، اور جو ان سے محروم ہوگا وہ تمام بھلائیوں سے محروم و نامراد ہوگا، حقیقت میں یہی دونوں چیزیں آدمی کی کامیابی اور ناکامی کا بنیاد ہیں، اور یہیں سے نیک و بد، متقی و گمراہ، ظالم و مظلوم کا صحیح پتہ چلتا ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ علم و عمل ایک دوسرے کے دوست اور باہم لازم

و ملزوم ہیں، اور علم کا مقام و مرتبہ عمل کے شرف اور بلند مقام کے تابع ہے، تو تمام علوم و معارف میں مطلق طور پر علم توحید کا مقام سب سے بلند و بالا ہوگا، اسی وجہ سے علم توحید کو علماء نے بڑے اہتمام کے ساتھ اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنایا، اور مختصر و مفصل ہر طرح کی کتابیں تالیف کیں، انہی علماء میں سے ایک نام امام محمد بن عبد الوہاب - رحمہ اللہ - کا ہے جنہوں نے اپنی زندگی میں ایسا دور دیکھا جس میں اسلام کے کڑے ٹوٹ رہے تھے، ستاروں کی پرستش ہو رہی تھی، قبروں اور مزاروں کی تقدیس و تعظیم کی جا رہی تھی، ان پر مساجد تعمیر کی جا رہی تھیں، اور ان پر بنی درگا ہوں اور قبوں کی پوجا کی جا رہی تھی، اور زندگی کے تمام اہم کاموں میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہی سے لو لگایا جاتا تھا، ایسے ماحول میں آپ نے اپنی اصلاحی کوشش کو تیز سے تیز کر لیا، اور اللہ، اور اس کی کتاب، اور اس کے رسولوں اور سارے لوگوں کی خیر خواہی اور بھلائی کا اعلان کر دیا، آپ نے انبیاء کرام کے منہج پر اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دینی شروع کی، اور انہیں شرک اور اس کے تمام وسائل و ذرائع سے منع کرنے لگے، اور آپ نے دعوت کے میدان میں اپنی کوشش برابر جاری رکھی بلکہ ان تمام اسلوب و ذرائع کو اختیار کیا جسے حق تک رسائی اور رب کی رضا اور خوشنودی تک پہنچا جاسکے، چاہے وہ تصنیف و تالیف کے ساتھ ہو یا تعلیم و تربیت، یا خط و کتابت۔

امام محمد بن عبدالوہاب کی جملہ تصانیف میں ایک مشہور کتاب ”القواعد الاربعہ“ ہے، جو بہت مختصر ہوتے ہوئے بڑی اہم کتاب ہے، اور اس میں توحید خالص کی فہم سے متعلق بڑے حساس اور اہم مسائل کا صحیح علاج ہے، انہی اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ اللہ کے ساتھ اولیاء و صالحین کے شرک کا فتنہ ہے، جس کی وضاحت مؤلف - رحمہ اللہ - نے ٹھوس دلائل اور پختہ علم، اعلیٰ سوچ بوجھ اور قرآن کریم کی آیتوں اور صحیح احادیث کی روشنی میں کی ہے، یہ اس طرح سے کہ آپ نے موحد کو عقیدے کے باب میں لا علاج پھیلی بیماریوں سے نجات بخشی، حق اور ہدایت کے متلاشیان کی صحیح رہنمائی فرمائی اور گمراہ و فساد کی کو لگام لگائی۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کتاب کی شرح کی متعدد بار توفیق عطا فرمائی، بعض طالب علموں نے اس شرح کو تحسین کی نظر سے دیکھا اور اسے کتابی شکل میں لانے کا مشورہ دیا، لہذا میں نے عام لوگوں کے فائدے کی خاطر اسے کتابی شکل دی، اور کافی غور و فکر کے بعد کچھ حذف و اضافہ کرتے ہوئے، کتاب کو پائے تکمیل تک پہنچایا، جو اب آپ کے ہاتھوں میں ہے، طوالت سے بچتے ہوئے اس رسالے کی شرح میں میں نے درمیانی راستہ اختیار کرتے ہوئے اختصار و مفصل کے درمیان کا راستہ اختیار کیا ہے۔

سن ۱۴۷۱ھ میں ”المجموعہ العلمیہ السعودیہ“ کے ضمن میں شائع ہونے والی

یہ کتاب ”القواعد الاربعہ“ کے متن کو میں نے اس شرح میں سامنے رکھا ہے، جس کے قدیم قلمی نسخے کی تصحیح سماحۃ الشیخ محمد بن ابراہیم - رحمہ اللہ - نے کی ہے۔

آخر میں میں اپنے ان افاضل مشائخ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس شرح کا مراجعہ کیا اور اپنے قیمتی مشورے سے ہمیں نوازا، بالخصوص شیخ عبداللہ بن محمد الغیمان اور ڈاکٹر عبدالعزیز بن محمد بن علی آل عبداللطیف کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ہماری بڑی بہمت افزائی فرمائی۔

میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس شرح کو ایسے ہی مفید اور نفع بخش بنادے جیسے اس نے اس کی اصل کو نفع بخش اور مفید بنایا ہے، اور ہمیں اس کے اجر و ثواب سے محروم نہ کرے۔

اے اللہ! ہمیں اور ہمارے والدین اور ہمارے اساتذہ کرام، اور طلبہ کو درگزر فرما، اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو عزت و قوت دے، اور شرک اور مشرکین کو رسوا فرما، اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور بندوں سے بہت ہی قریب ہے۔

کتابتہ:

محمد بن سعد بن عبدالرحمن الحنبلین

المدرس بالمعبد العلمی فی الشفاء بالریاض

ص.ب: ۷۴۳، الرمز البریدی: ۱۱۹۴۲



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قارئین کرام! آپ کے ہاتھوں میں اس وقت شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا ایک مفید کتاب ”قواعد اربعہ“ ہے، جس کی شرح و توضیح پر مشتمل یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش ہے، شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے)۔

عرشِ عظیم کے رب، اللہ کریم سے میں دعا گو ہوں کہ وہ آپ کو دنیا و آخرت میں اپنا دوست بنائے، جہاں کہیں بھی رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو برکت والا بنائے، اور آپ کو اپنے ان بندوں میں سے بنائے جو اس کے فضل و احسان اور نوازش پر اس کا شکر ادا کریں، ابتلاء و آزمائش پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کریں، اور خطا اور گناہ کے صدور و ارتکاب پر اللہ سے معافی کے طالب ہوں، یقیناً نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، مصیبت پر صبر کرنا اور گناہوں کے سرزد ہونے پر اللہ سے معافی مانگنا یہ تینوں باتیں سعادت اور نیک بختی کا عنوان ہیں۔

اس کتاب کی ابتداء شیخ الإسلام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے (بسم اللہ الرحمن الرحیم) سے دو سبب کی بنا پر فرمائی۔

☆ پہلا یہ کہ کسی کام کے شروع کرتے وقت ایسا کرنا (قرآن کریم) پر عمل ہے۔

☆ دوسرا سبب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایسا کرتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ اپنے خطوط کی ابتداء بسم اللہ سے کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے شاہ روم ہرقل کے نام خط لکھا تو فرمایا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد عبد اللہ ورسولہ الی ہرقل عظیم الروم“۔

میں یہ خط اس اللہ کے نام سے لکھنا شروع کر رہا ہوں جو رحمن و رحیم یعنی بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، محمد - اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے یہ نامہ - شاہ روم ہرقل کے نام ہے [بخاری: ۷، و مسلم: ۱۷۷۳]۔

پھر آپ نے دوسرے نمبر پر قارئین و سامعین کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور فرمایا: أسأل الله الكريم رب العرش العظيم (میں اللہ کریم عرش عظیم کے رب سے دعا کرتا ہوں) جیسا کہ تمام تصانیف میں آپ کی عادت ہے کہ آپ طلبہ کے لیے دعا گو ہوتے ہیں، یہ ایک طالب سے آپ کے خصوصی لگاؤ اور الفت و محبت کی دلیل ہے، طالب علم کو اہمیت دینا اور اس پر توجہ دینا ایسا اہم اخلاق ہے جس کے زیور سے ہر عالم کو آراستہ ہونا چاہئے، ناپہ کہ تبلیغ علم کو ایک بوجھ اور وزن سمجھ کر اس سے دست بردار ہو کر آدمی اس سے الگ ہو جائے، طلبہ سے لگاؤ اور اُن کے مصالح سے دلچسپی حقیقت میں اگلے علماء کے اوصاف میں ایک چمکتے زیور کی طرح کی چیز تھی، وہ اس کو بوجھ نہ سمجھتے تھے، اور نہ وہ اس فکر سے دستبردار ہوتے تھے، بلکہ طلبہ سے لگاؤ اور اُن کے مصالح سے محبت اُن کے نزدیک بڑا قابل قدر اخلاق تھا۔

چنانچہ ابن جماعہ کنانی - رحمہ اللہ - درس و تدریس میں عالم (مدرس) کے آداب و اخلاق کو شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

استاذ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کے مصالحوں کی پوری رعایت کرے، اور اس سے نرمی و شفقت اور احسان کا ایسا معاملہ کرے جیسا کہ وہ اپنی عزیز ترین اولاد سے کرتا ہے، بسا اوقات طالب علم سے بعض نازیبا افعال سرزد ہو جاتے ہیں یا بعض ایسی کوتاہی ہو جاتی ہے، جو عام طور پر انسانوں سے ہو ہی جاتی ہے، تو ایسے موقع پر اس پر صبر کرے، اور بعض اوقات طالب علم سے سرزد ہو جانے والی بے ادبی پر اس کو معاف کر دے، اور حتیٰ الامکان اس کے عذر کو وسعتِ نظر سے دیکھا جائے، اس کو اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر نصیحت اور خیر خواہی کے جذبے سے اسے مطلع کیا جائے، اور سختی اور زیادتی سے پرہیز کیا جائے، اور ان تمام اقدامات کا مقصد یہ ہو کہ طالب علم کی تربیت اچھی طرح سے ہو اس کے اخلاق و عادات بہتر ہو جائیں، اور اس کی حالت سدھ جائے...

استاذ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کے ساتھ تواضع و خاکساری سے پیش آئے، ایسے ہی مسائل اور نصیحت طلب کرنے والا اگر اللہ کے حقوق اور انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کرنے والا ہو تو اس کے ساتھ بھی تواضع کا معاملہ کرے، اور اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا معاملہ

کرے (آداب السامع والمستمکلم: ۱۳۰-۱۵۹)۔

مؤلف نے اللہ رب العزت کے لیے (الکریم) کا لفظ استعمال کیا، ”کریم“ اللہ کے اسماء حسنی میں سے ایک نام ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ نام رکھا، اور اپنی ذات کو کرم سے متصف کیا، بے شک اللہ تعالیٰ اکرم (نہایت عزم اور جود و سخا والا) ہے۔

لفظ ”کرم“ ان جامع الفاظ میں سے ہے جو جملہ محاسن و محامد کو شامل ہے، اس سے صرف نوازش اور عطا ہی مقصود نہیں، بلکہ نوازش اور عطا کا معنی اس سے پورا ہوتا ہے، درحقیقت دوسرے پر احسان محاسن کا اعلیٰ درجہ ہے، اور کرم خیر و بھلائی کی کثرت و زیادتی کو کہتے ہیں (فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱۶/۲۹۳)۔

”کریم“ و ”اکرم“ کا نام اور ان کے علاوہ جو نام بھی اسماء حسنی میں سے ہیں مثلاً ”علی“ اور ”اعلیٰ“، ”قدیر“ اور ”مقتدر“، اصل معنی میں ایک ہیں، لیکن لفظ الگ الگ ہیں تو انہیں ایک ہی نام شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ ان میں سے ہر نام کی حیثیت ایک مستقل نام کی ہوگی۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک ہی صفت سے مشتق کئی نام کو الگ الگ شمار کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، کیونکہ فی الجملہ اس میں تغایر و اختلاف ہے، اور ان میں سے بعض نام اپنی خصوصیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوتے ہیں کہ ایک نام میں جو خصوصیت پائی جاتی ہے، دوسرا نام اس خصوصیت سے خالی ہوتا ہے (فتح الباری: ۱۹/۱۱)۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب - رحمہ اللہ - نے اپنی دعا میں اللہ کے لیے رب العرش العظیم کا لفظ استعمال کیا ہے، عرش کا معنی تخت شاہی کے ہیں، اور عرش الرحمن (اللہ تعالیٰ کا عرش) پایوں والا تخت ہے، جسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، اور وہ دنیا جہان پر قبہ کے مانند ہے، اور تمام مخلوقات کی چھت ہے (شرح الطحاویۃ ابن ابی العز: ۳۶۶)۔

عرش الہی کے بعض اوصاف: عرش کی متعدد صفات کتاب و سنت میں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱- عظمت: عرش کی ایک صفت عظمت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس

کے بارے میں فرمایا: ﴿اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ (النمل: ۲۶) ”اس کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے، لیکن اس آیتِ کریمہ میں خصوصیت کے ساتھ اس کو عرشِ عظیم کا رب قرار دیا، بعض علماء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ چونکہ عرش اللہ کی مخلوقات میں سے ایک عظیم مخلوق ہے اس لیے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے (تفسیر ابن عطیہ: ۱۰۶/۱۲)۔

۲- مجد: عرش کی ایک صفت مجد اور بزرگی بھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾ (البروج: ۱۵)۔  
”مجد و بزرگی والے عرش کا مالک ہے۔“

حزہ اور کسائی کی قراءت کی روشنی میں لفظ ”مجید“ کے دال پر کسرہ یعنی زیر کی رعایت کرتے ہوئے کہ ”مجید“ عرش کی صفت ہے، اور اسی کے پیش نظر آیت کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔

۳- کرم: عرش کی ایک صفت کریم بھی بیان کی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ﴾ (المؤمنون: ۱۱۶)۔ ”اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہی عزت والے عرش کا مالک ہے۔“

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ قول: اللہ دنیا و آخرت میں آپ کو اپنا ولی (دوست) بنائے۔

”ولی“ اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (الشوری: ۹) (کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور گار ساز بنا لئے ہیں، (حقیقتاً تو) اللہ تعالیٰ ہی کار ساز ہے، وہی مردوں کو زندہ کرے گا، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے)۔

اللہ ہی ولی (دوست) ہے، کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوق کے امور کا نگہداشت ہے، اور وہی ان کے تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا اور ان کا مالک ہے۔ اور اللہ سبحانہ کو ہی ولایت خاصہ (خصوصی



دوست) لائق وزیبا ہے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور ان کا ناصر و مددگار ہے [تفسیر الأسماء الحسنى، سعید القحطانی: ص / ۱۱۲-۱۱۳]۔

مؤلف کا قول: اور آپ جہاں کہیں بھی رہیں اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک (با برکت) بنائے۔

حقیقت میں یہ دعا عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے ماخوذ ہے، جب وہ اپنی ماں کے گود میں تھے تو یہ دعا فرمائی تھی، جیسا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس بارے میں قرآن مجید میں بتایا ہے۔

﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ (مریم: ۳۱)۔ ”اور اس نے مجھے با برکت کیا ہے جہاں بھی میں ہوں“۔

برکت کی تفسیر لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے سے کی گئی ہے، اسی طرح سے اس کی تفسیر بھلائی کا حکم دینے اور منکر (خلاف شرع کام) سے روکنے کا حکم دینے سے بھی کی گئی ہے (تفسیر ابن کثیر: ۱۱۷/۳)۔

اس کے علاوہ بھی بعض اقوال اس کی تفسیر میں وارد ہیں، لیکن ان

میں آپس میں کوئی تعارض و تضاد نہیں ہے۔

فائدہ: ایک ہی آیت کی مختلف تفسیر جو سلف سے منقول ہیں، حقیقت میں وہ اختلاف تنوع ہے، اختلاف تضاد نہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء سلف کے درمیان تفسیر میں بہت تھوڑا سا اختلاف ہے جبکہ اس کے مقابل میں فقہی احکام میں کافی اختلاف ہے، تفسیر کے بارے میں اختلاف کے متعلق ان سے جو صحیح بات منقول ہے وہ یہ کہ غالباً ان کا اختلاف تنوع میں ہے، جس کا تضاد اور حقیقی اختلاف سے کوئی تعلق نہیں [الفتاویٰ: ۱۳/۳۱۳]۔

مؤلف کا قول: اور اللہ تعالیٰ آپ کو ان بندوں میں سے بنائے جو اس کی نعمت پر شکر ادا کریں، اس کی آزمائش و ابتلاء پر صبر و تحمل، اور گناہوں کے صدور و ارتکاب کے وقت اس سے معافی مانگیں، یقیناً یہی تین باتیں سعادت و نیک بنختی کا عنوان ہیں۔

حقیقت میں یہی وہ تین حالتیں ہیں جس سے بندہ کبھی جدا نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ انہی میں گردش کرتا رہتا ہے، آدمی اللہ تعالیٰ کی بے شمار

نعمتوں میں پلتا ہے جس پر اللہ نے اپنا شکر ادا کرنا فرض کیا ہے، یا یہ کہ وہ پریشانیوں و آزمائشوں سے گزرتا ہے جس میں اس پر صبر فرض ہے، یا کہ اس سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس پر توبہ و استغفار واجب ہے (الوابل الصیب لابن القیم: ۵)۔

فائدہ: نیز طبرانی کی معجم کبیر میں ایک مرفوع روایت آئی ہے: من ابتلی فصبر، و أعطی فشکر، و ظلم فغفر، و ظلم فاستغفر.

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ (الأنعام: ۸۲).

یعنی جسے آزمایا گیا تو صبر کیا، حصول نعمت پر شکر گزار ہوا، ظلم ہوا تو معاف کیا، ظلم کیا تو معافی مانگی، ایسے ہی لوگ جو ایمان لائے اور شرک سے دور رہے مامون اور ہدایت یاب ہیں۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے، ملاحظہ ہو: (سلسلة الأحادیث الضعیفة والموضوعة للالبانی: ۴۵۲۷، الجامع: ۵۳۲۳)۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

جان لو! آپ کو اللہ اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی رہنمائی فرمائے،  
حنفیت ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے، دین ابراہیم کی حنفیت کا مطلب  
یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں تنہا اس کی  
عبادت کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ  
وَ الْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ۵۶)۔

”میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف  
میری عبادت کریں۔“

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ نے  
آپ کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے تو اس بات کو ٹھیک  
سے سمجھ لیں کہ بغیر توحید خالص کے کوئی بھی عبادت عبادت نہیں  
ہو سکتی، یوں ہی جیسے کہ کوئی نماز بغیر طہارت اور وضو کے صحیح عبادت  
نہیں ہو سکتی، کیونکہ جب عبادت میں شرک داخل ہو جاتا ہے تو اسے  
برباد کر دیتا ہے، ٹھیک ایسے ہی جیسے حدیث (وضو ٹوٹنے) سے طہارت  
باطل ہو جاتی ہے۔

آپ پر جب یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ شرک جب عبادت کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے تو اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے، اور اعمال کو بھی برباد کر دیتا ہے، اور شرک کرنے والے کا ہمیشگی کا ٹھکانا جہنم بنا دیتا ہے، تو اس سے آپ کو پتہ چل گیا ہو گا کہ توحید کی اہمیت کو جاننا اور شرک کے فساد سے باخبر رہنا کتنا اہم اور کتنا ضروری ہے، امید کہ اللہ آپ کو شرک کے جال سے نجات دے، اور یہی وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا جال ہے جس کی سنگینی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۸).

”یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جس گناہ کو بھی چاہے بخش دیتا ہے۔“

مؤلف کا قول: جان لو! ۱۔ اللہ آپ کو اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی رہنمائی فرمائے، حنیفیت دین ابراہیم ہے، حنیفیت کا مطلب یہ ہے کہ خالص اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں تنہا اس کی عبادت کریں۔

فائدہ ۱: مؤلف رحمہ اللہ نے اپنی بات کو (اعلم) کے لفظ سے شروع کی ہے، جس کے معنی معلوم ہونا چاہئے یا جان لو کے ہے، اور یہ مادہ علم کا فعل امر ہے یعنی ”جان لو، آگاہ ہو جاؤ“، علماء نے اس کے معنی اور مدلول کے بارے میں اختلاف کیا جن کے اقوال کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ علم اس پختہ اعتقاد کا نام ہے جو واقع کے عین مطابق ہو [التعریفات للبحر جانی: ۱۵۷]۔

جیسے آپ کہتے ہیں کہ ہر مخلوق کے لئے خالق کا ہونا لازم ہے، اور وہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے، تو اسی کا نام علم رکھا جائے گا کیونکہ یہ حکم یقینی طور پر صادر ہوا ہے جو واقع کے بالکل مطابق ہے۔

۲۔ بعض علماء کے قول کے مطابق علم کی کوئی تعریف نہیں کی جائے گی، جیسے ابن العربی الممالکی رحمہ اللہ کا یہ قول ہے: اور اس کی علت یہ ہے کہ

علم اتنا زیادہ واضح ہے کہ اس کی وضاحت اور بیان کی ضرورت ہی نہیں۔  
تعریف کی قطعاً ضرورت نہیں [عارضۃً الأحوذی: ۱۰/۱۱۳-۱۱۴]۔

(اعلم) امر کا صیغہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کسی بڑی اہمیت کی حامل چیز کا بیان مقصود ہوتا ہے، یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ جن علوم و معارف سے کچھ آپ کو روشناس کرایا جائے گا اس کے لئے آپ بالکل مستعد اور اس کی فہم کے لئے تیار ہو جائیے۔ (حاشیۃً الأوصول الثلاثۃ لابن قاسم: ۹)۔

(الرشد): (رشد و ہدایت) یہ اللہ تعالیٰ کے متنوع احسانات میں سے ایک احسان، اور عظیم ترین فضیلتوں میں ایک فضیلت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ﴾ ☆ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿ (الحجرات: ۷-۸)  
(یہی لوگ راہ یافتہ ہیں، اللہ کے احسان و انعام سے، اور اللہ دانا اور باحکمت ہے)۔

رشد کی تعریف: بعض اہل علم نے رشد کی تعریف یوں کی ہے: رشد

نہایت مضبوطی کے ساتھ حق پر جمے وڈٹے رہنے کو کہتے ہیں۔ (فتح  
القدر للشوکانی: ۱۵/۷۱)

ہدایت اور رشد میں فرق: امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رشد وہ علم  
ہے جو نفع بخش ہو، اور اس کے مطابق عمل ہو، رشد اور ہدیٰ جب  
دونوں الگ الگ ذکر کئے جائیں تو ہر ایک دوسرے کے معنی کو شامل  
ہوتے ہیں، لیکن جب دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہو تو رشد کا معنی حق کا  
علم اور ہدیٰ کا معنی حق کے علم کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔ [إغاثة  
اللبیان: ۱/۵۳]۔

اطاعت کی تعریف: اطاعت اس پیروی اور تابعداری کو کہتے ہیں جو دین  
اور شریعت کے حکم کے مطابق ہو۔ (شرح الطحاویۃ لابن ابی العز  
الحنفی: ۱/۳۳۵) یعنی آپ عبادت اس طرح کریں جو اللہ تعالیٰ کے حکم  
کے عین مطابق ہو [اللوکب المنیر لابن النجار: ۱/۳۸۵]۔

مثال: اس مثال کو یوں سمجھیں جیسے کہ نماز اس وقت تک اطاعت نہیں  
ہو سکتی جب تک کہ آپ اسے اللہ کے حکم کے مطابق اس کے شروط



وواجبات، اور ارکان کے ساتھ ادا نہ کریں۔

مؤلف کا قول: (حنیفیت دینِ ابراہیمی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کریں)۔

حنیف کا کلمہ قرآن میں کئی بار آیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر یہ فرض کیا ہے کہ حنیفیت یعنی (استقامت والے) بن جائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف یکسو ہو جائیں پہلے اللہ نے اہل کتاب (یہود و نصاری) پر فرض کیا تھا، پھر اسے امت محمد پر فرض قرار دیا، اور ان پر اور ان سے پہلے یہود و نصاریٰ پر یہ واجب قرار دیا تھا کہ وہ ملتِ ابراہیم کی استقامت اور یکسوئی کے ساتھ اتباع و پیروی کریں (جامع المسائل لشیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۱۷۹/۵)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (النحل: ۱۲۳) ”پھر ہم نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ آپ ملتِ ابراہیم حنیف کی پیروی کریں، جو کہ مشرکوں میں سے نہ تھے“۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ (البقرة: ۱۳۰)۔ ”دین ابراہیمی سے وہی بے رغبتی کرے گا جو محض بیوقوف ہو، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا، اور آخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہیں۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (البقرة: ۱۳۵)۔ ”یہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے، تم کہو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں، اور ابراہیم خالص اللہ کے پرستار تھے، اور مشرک نہ تھے۔“

جب یہ معلوم ہوا کہ حنیفیت فرض ہے، اور (مکلفین) سارے عاقل بالغ (مکلف) لوگوں پر لازم ہے، تو مصنف رحمہ اللہ نے یہ واضح کیا کہ حنیفیت ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت یعنی دین و شریعت کا نام ہے۔

”ملتہ“ دین و شریعت کو کہتے ہیں (احکام القرآن للقرطبی: ۲/۱۳۰)۔  
 لہذا حنیفیت کا صحیح مفہوم وہ دینی راستہ ہے جس پر ابراہیم علیہ  
 السلام قائم تھے، یعنی اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا۔  
 عرب اس شخص کو بھی حنیف کہتے تھے جو یہود و نصاریٰ کے دین  
 سے منحرف ہو جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ نصاریٰ میں سے بعض اہل کتاب  
 کی کتابوں میں اور ان کے علاوہ کی کتابوں اور اقوال میں حنیف سے  
 دشمنی کرنے کا تذکرہ ملتا ہے، اور یہ وہ عرب ہیں جنہوں نے حج اور ختنہ  
 کو جمع کر دیا (اور یہ دونوں چیزیں دین ابراہیمی کا جزء تھیں) حالانکہ وہ  
 شرک کرنے والے ہیں (جامع المسائل لشیخ الإسلام ابن تیمیہ: ۵/۱۸۳)۔  
 ”حنیف“ یہ حنف سے ماخوذ ہے، اور حنف کا اصل معنی ہے میلان و جھکاؤ،  
 لہذا حنیف کا معنی ہوا دیا باطلہ سے کنارہ کشی اختیار کرنے والا۔  
 نیز بعض اہل علم نے کہا ہے کہ حنف کا اصل معنی استقامت ہے،  
 استقامت ہی کی وجہ سے دین ابراہیم کو حنیفیت کا نام دیا گیا (تفسیر  
 الشوکانی: ۱/۱۶۰-۱۶۱)۔

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو سب کو چھوڑ کر صرف اللہ رب العزت ہی کے حکم پر جھے اور ڈٹے رہنے والا ہو، اور حنیفیت دراصل اللہ کی خالص اطاعت کرتے ہوئے اسی پر ڈٹے رہنے کا نام ہے، اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا، اس کے لئے خاکساری اختیار کرنا، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اسی معنی کو شامل ہے (الفتاویٰ: ۵/۲۳۹، ۱۰/۴۶۶)۔

مولف کا قول: (جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ نے آپ کو صرف اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے، تو اس بات کو ٹھیک سے سمجھ لو کہ بغیر توحید خالص کے کوئی بھی عبادت مقبول عبادت نہیں ہو سکتی، جیسے کہ کوئی نماز بغیر طہارت کے مقبول نماز نہیں ہو سکتی)۔

یعنی توحید خالص عبادت کی صحت و درستگی کے لئے اسی طرح بنیادی شرط ہے جیسے نماز کی صحت کے لئے طہارت بنیادی شرط ہے، اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ (النساء: ۳۶)۔

”اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔“  
 اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں اپنی عبادت کے حکم کو شرک کی  
 ممانعت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ عبادت  
 کے صحیح ہونے کے لئے توحید شرط ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تک اللہ کے لئے عبادت  
 خالص نہ ہو اس عبادت کو عبادت کا نام نہیں دیا جاسکتا جیسے کہ مشرک  
 کی عبادت کو عبادت نہیں کہا جاسکتا، لیکن ہمیں یہ بھی ملتا ہے کہ اللہ  
 تعالیٰ نے عبادت کا لفظ اس حقیقی معنی کے خلاف بھی استعمال کیا ہے  
 ارشاد باری ہے: ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا  
 يَضُرُّهُمْ﴾ (الفرقان: ۵۵)۔ ”یہ (کفار و مشرکین) اللہ کو چھوڑ کر ان  
 کی عبادت کرتے ہیں، جو نہ تو انہیں کوئی نفع دے سکیں، اور نہ کوئی  
 نقصان پہنچا سکیں۔“

نیز اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں یوں فرمایا: ﴿قَالَ  
 أَفَرَأَيْتُمْ مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ☆ أَنْتُمْ وَأَبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ﴾

(الشعراء: ۷۵-۷۶) ”آپ نے فرمایا کچھ خبر بھی ہے، جنہیں تم پوج رہے ہو؟ ☆ تم اور تمہارے اگلے باپ دادا۔“

شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کی وضاحت اس انداز میں کی ہے جس سے مصنف کی مراد و مقصود کی وضاحت اچھی طرح ہو جاتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

عبادت کا لفظ کتاب و سنت میں دو طرح سے استعمال ہوا ہے:

۱- مطلق: کبھی عبادت سے مطلق عبادت مراد ہوتی ہے، اور یہی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں شرف قبولیت حاصل کرتی ہے، نیز یہی خالص عبادت ہے، اسی بنا پر اس شکل میں مشرک کی عبادت پر لفظ عبادت کا اطلاق نہ ہوگا، جیسے مطلق ایمان صرف سچے اور صحیح ایمان ہی کو شامل ہوتا ہے، کفار و مشرکین کے ایمان کو شامل نہیں ہوتا، کیونکہ وہ صرف توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں، لیکن اللہ کی عبادت (الوہیت) میں شرک کرتے ہیں۔

۲- مقید: جب مشرک اللہ کی عبادت کرتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کرتا ہے تو اس پر لفظ عبادت کا اطلاق قید کے ساتھ جائز ہے، چنانچہ اسے یوں کہا جائے گا کہ وہ شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اور غیر اللہ کی بھی عبادت کرتا ہے یا یہ کہا جائے گا کہ وہ شرک کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتا ہے، کتاب و سنت کے نصوص اس کی وضاحت کرتے ہیں جیسا کہ اس سے پہلے مذکور دونوں آیتیں، نیز اس ضمن میں قرآن کریم کی یہ بھی آیت ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ﴾ (الزخرف: ۲۶)۔

”اور جب کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں ان چیزوں سے بے زار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔“

اس آیت کریمہ میں قید کے ساتھ عبادت کا لفظ استعمال ہوا یعنی تمہاری عبادت اللہ کے ساتھ۔

اور اس لیے بھی جب کفار و مشرکین سے مطلقاً عبادت کی نفی

آئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُمْ﴾ (الکافرون: ۴)۔ ”اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو“۔  
تو یہاں قید کی شکل میں عبادت کی نفی مقصود نہیں، بلکہ مطلق عبادت کی نفی مقصود ہے، اور یہی مقبول عبادت ہے جو اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے (الفتاویٰ: ۱۶/۵۷۳)۔

(فائدہ: شیخ عبد اللہ الغنیمان حفظہ اللہ فرماتے ہیں: اس تفصیل سے مؤلف کے بیان کردہ فرق کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، بلکہ فرق یہ ہے کہ لغت میں عبادت ہر اس معبود کو کہتے ہیں جس کی عبادت کا قصد و ارادہ کیا جائے، اور شریعت میں عبادت اس عبادت کو کہتے ہیں جو اللہ کو ایک جان کر خاص اسی کے لیے کی جائے، اصل میں یہی فرق ہے، مطلق و قید کا کوئی فرق نہیں)۔

اس سے واضح ہوا کہ مطلق عبادت کی نفی سے مصنف کی مراد وہی مقبول عبادت ہے جو اللہ کی توفیق سے ہوتی ہے، مقید کی شکل میں عبادت کی نفی مقصود نہیں ہے۔



مولف کا قول: جب آپ کو یہ پتہ چل گیا کہ شرک جب عبادت کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے تو عبادت کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ یہاں سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عبادت میں شرک کی ملاوٹ سے کیا احکام مرتب ہوتے ہیں، پہلا حکم واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عبادت فاسد و برباد ہو جاتی ہے، لہذا جب بھی عبادت میں شرک کی ملاوٹ ہوگی تو وہ عبادت کو برباد کرنے والی ہوگی، اگر کوئی حج کی نیت کرے اور اس پر غیر اللہ سے مدد چاہے، یا غیر اللہ کے لئے ذبح کرے، یا نذر مانے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الأنعام: ۸۸)۔

”اور اگر فرضیہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے“۔

ٹھیک اسی طرح کوئی شخص وضو کرے، پھر اس کے بعد اللہ کے ساتھ شرک کرے، تو اس کا وضو باطل ہو جائے گا، ابن قدامہ رحمہ اللہ

فرماتے ہیں: طہارت (صفائی و ستھرائی) ایک عمل ہے، اور یہ حکماً باقی رہتا ہے، جب اس کو باطل کرنے والی چیزیں لاحق ہوں گی تو یہ باطل ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ شرک کے ارتکاب سے واجبی طور پر برباد ہو جائے گا، اور اس لئے بھی کہ وہ عبادت ہے، جو حدت (وضو کے ٹوٹنے) سے فاسد ہو جاتی ہے تو اسے شرک ضرور برباد بنا دے گا (المغنی: ۱/۲۳۸)۔

مصنف کا یہ کہنا کہ شرک کی ملاوٹ نے عبادت کے عمل کو باطل کر دیا، اور اس کے لیے (احباط عمل) کا لفظ استعمال کیا، بعض علماء نے اس کی توضیح بطلان سے کی ہے، قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”احبط عملك“ اور ”حبط عملك“ دونوں کا ایک ہی معنی ہے، باطل ہونا، اور لفظ فاسد و باطل مترادف یعنی ہم معنی لفظ ہیں (مشارق الأنوار: ۱/۲۲۱)۔

مصنف رحمہ اللہ نے شرک کی ملاوٹ پر یہ کہا کہ اس چیز نے

عبادت کو فاسد کر دیا، اور اس کے بعد احباط عمل کے لفظ فاسد کر دیا پر عطف کیا ہے، اور وہ ضمیر جو اس عبادت کی طرف جس میں شرک کی آمیزش ہو پلٹی تھی، اس کی اضافت اس کی طرف کی، اور لفظ ”العمل“ جس پر الف ولام معرفہ کی لگی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے اس کی اسناد جبوط کی طرف فرمائی، اور جبوط عمل (عمل کی بربادی) کو دوسرا حکم قرار دیا ہے، اس مناسبت سے کہ پہلے حکم سے مراد بذات خود عبادت کا برباد ہونا ہے، اور لفظ جبوط سے یہاں مراد ان سارے اعمال صالحہ کا برباد ہونا ہے جسے اس نے شرک کرنے سے پہلے کیا تھا، اس کی وضاحت اللہ کے اس قول سے ہوتی ہے: ﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الزمر: ۶۵) ”یقیناً آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا، تو بلاشبہ آپ کا عمل ضائع و برباد ہو جائے گا، اور یقیناً آپ گھاٹے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب آدمی شرک سے نہ بچے تو وہ کافر ہے گرچہ وہ اس امت کا سب سے بڑا عبادت گزار ہی کیوں نہ ہو، راتوں کو قیام اللیل کرنے (تراویح اور تہجد) والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبَطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾  
 (الأنعام: ۸۸) ”اور اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے۔“

اور اس کی عبادت ایسے ہی ہو جائے گی کہ جس نے غسل جنابت کے بغیر ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھ لی، یا یوں کہ وہ اس شخص کی طرح سے ہے جو سخت ترین گرمی میں روزہ رکھتا ہے، اور دن میں زنا کر لیتا ہے۔  
 امام ابن القیم رحمہ اللہ اعمال کی بربادی کی دو نوعیت بیان فرماتے ہیں:

۱- عام: اس کی صورت یہ کہ مرتد ہونے سے آدمی کی ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں، اور توبہ سے سارے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

۲- خاص: کچھ نیکیاں برباد ہوں، اور کچھ برائیاں ختم ہوں اور یہ جزئی بربادی ہے (کتاب الصلاة لابن القیم: ۸۶)۔

مصنف فرماتے ہیں: شرک کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہنے والوں میں سے ہوگا۔

یہاں سے مصنف رحمہ اللہ شرک اکبر کے جرم پر مرتب ہونے والا تیسرا حکم بیان فرماتے ہیں، کیونکہ اگر مشرک کی موت شرک پر بغیر توبہ کے ہوگئی تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے لوگوں میں سے ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ (المائدة: ۷۲)۔ ”بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہیں، حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل!

اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے، یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے، اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔“

آپ پر جب یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ شرک جب عبادت کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے تو اسے تباہ و برباد کر دیتا ہے، اور دوسرے اعمال کو بھی برباد کر دیتا ہے، اور شرک کرنے والے کا ہمیشگی کا ٹھکانا جہنم بنا دیتا ہے، تو اس سے آپ کو پتہ چل گیا ہو گا کہ توحید کی اہمیت اور شرک کے فساد کے بارے میں علم رکھنا کتنا اہم اور کتنا ضروری ہے، امید کہ اللہ آپ کو شرک کے جال سے نجات دے، اور یہی وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کا جال ہے جس کی سنگینی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۴۸) ”یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے

کو نہیں بخشا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے، اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔“

شیخ الاسلام کے کلام میں ان قواعد و اصول کی اہمیت کا ذکر ہے، آپ نے اپنے دوسرے رسائل میں کئی مقامات پر ان اصول و قواعد کی اہمیت کو واضح کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱- ان قواعد و اصول کی معرفت اور اس کے فہم سے ایک موحد کے شرک میں واقع ہونے سے حفاظت ہوگی۔

۲- ان کے اندر لا الہ الا اللہ کا صحیح معنی و مطلب بیان کیا گیا ہے۔

۳- ان قواعد و اصول کی معرفت و جانکاری سے توحید اور شرک میں امتیاز ہوتا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شُرک کے پھندے سے بچنے کے لیے چار قواعد و اصول کی معرفت ضروری ہے، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے اور انہی کے ذریعہ آدمی کلمہ شہادت لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ کے معنی کو صحیح طور پر جان سکتا ہے، نیز انہی کی مدد سے اہل اسلام اور اہل شرک کے درمیان تمیز پیدا کی جاسکتی ہے، آپ پر اللہ کی رحمتیں برسیں، اور آپ ان کے بارے میں غور و فکر کریں، اور اپنی فہم کو ان کی طرف موڑ دیں کیونکہ یہ نہایت نفع بخش ہیں (الدرر السنیۃ: ۲/۲)۔

مؤلف رحمہ اللہ کا قول: وہ شرک اکبر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ (النساء: ۴۸) ”یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا، اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے، اور جو اللہ



تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے، اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔“

یہ بھی ایسے احکام کے قبیل سے ہیں جو شرک اکبر پر مرتب ہوتے ہیں، اور وہ یوں کہ اللہ تعالیٰ ایسے شرک اکبر کے ارتکاب کرنے والے کو معاف نہیں فرمائے گا جو توبہ کئے بغیر مر گیا، لیکن شرک اکبر کے علاوہ بقیہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر بغیر توبہ کئے مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے چاہے تو معاف کر دے، یا چاہے تو سزا دے، اور یہی اس آیت کا معنی و مقصود ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ چاروں اصول و قواعد کی معرفت ہی کے ذریعہ ہم شرک اور غیر اللہ کی عبادت کے جال سے باہر نکل سکتے ہیں۔

قواعد: یہ قاعدہ کی جمع ہے، اور قاعدہ لغت میں بنیاد اور اساس کو کہتے ہیں، اور جب قواعد البیت بولا جاتا ہے تو اس سے مقصود گھر کی بنیاد اور اساس ہوتی ہے (لسان العرب لابن منظور: ۷/ ۴۳۴)۔

علماء کی اصطلاح میں قاعدہ کی تعریف: جب علماء یہ فرمائیں کہ اس مسئلہ میں یہ قاعدہ ہے، یا یہ فرمائیں کہ اس باب میں اس طرح کا قاعدہ ہے تو اس سے مراد و مقصود: ایسے کلی قضیے (مسائل) ہوتے ہیں جن پر غور کرنے سے جزوی قضیے معلوم کر لئے جائیں (شرح مختصر الروضة للطوفی: ۱۲۰/۱)۔

اس کی مثال: ”جس نے عبادت کو غیر اللہ کی طرف پھیر دیا، اس نے شرک کیا“۔

یہ قضایا کلیہ میں سے ہے، لہذا اب اسی پر غور کرنے سے قضایا جزویہ کا یوں پتہ چلتا ہے کہ جس نے غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کیا، یا نذر مانی، یا سجدہ کیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ غور کرنے سے پتہ چلا کہ وہ مشرک ہے، اور ہمیں اس جزوی قضیے کا علم کلی قضیے پر غور کرنے سے حاصل ہوا، کیونکہ یہ سب عبادت ہیں، اور جو بھی عبادت کو غیر اللہ کی طرف پھیر دے، وہ مشرک ہے۔

معرفہ: کسی چیز کی اصلی حالت کی جانکاری کو کہتے ہیں تعریفات

جر جانی (۸۱۲)۔

اللہ کا وصف کلمہ ”عارف“ (جاننے والا) کے ساتھ نہیں بیان کیا جاسکتا اور اس پر احمد بن حمدان نے قاضی ابو یعلیٰ محمد بن حسین سے اجماع بھی نقل کیا ہے (الکوکب المنیر: ۱/۶۵، ۶۶)۔ اللہ تعالیٰ کو ”عالم“ کے وصف کے ساتھ متصف کیا جائے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (المؤمنون: ۹۲) ”وہ غائب و حاضر کا جاننے والا ہے، اور جو شرک یہ کرتے ہیں اس سے بالاتر ہے“۔

اللہ کو کلمہ عارف سے متصف نہ کرنے کی علت یہ ہے کہ معرفت سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے پہلے جہل کا وجود تھا، جب کہ اللہ کا علم ازلی ہے، یعنی ازل سے ابد تک وہ عالم ہے، جہل سے اللہ کا دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں (تعریفات: ۱۷۲)

اور اللہ کو وصف عارف سے متصف نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کلمہ معرفت علم اور ظن دونوں کو شامل ہے، لہذا ظن

(گمان) سے اللہ کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں (شرح الأُصول من علم الأُصول، عشمین: ۲۵)۔

فائدہ: اسماء و صفات تو قیفی ہیں (یعنی کتاب و سنت کے نصوص ہی سے ثابت ہوں گے) لہذا تمام بندوں پر واجب ہے کہ اس میں اور اس کے علاوہ تمام امور میں اہل سنت و الجماعت کے منہج اور طریقے کو اپنائیں، شیخ الاسلام ابن تیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف کا مذہب یہ ہے کہ وہ اللہ کو انہیں اوصاف سے متصف کرتے ہیں جن کے ساتھ اللہ نے اپنی ذات کو خود متصف کیا ہے، یا رسول اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت کی ہے، وہ اس میں نہ تحریف (کتر بیونت) کرتے، اور نہ ہی تعطیل (یعنی ان کے معانی کا انکار)، اور نہ ہی اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی تمثیل (یعنی مخلوقات سے تشبیہ دینا) (الفتاویٰ: ۵/ ۲۶)۔

لیکن کیا علم الہی کو کلمہ ”یقین“ سے متصف کرنا درست ہے؟ جواباً عرض ہے کہ علم الہی کو ”یقین“ سے متصف نہیں کیا جاسکتا، یقین سے متصف نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ ”یقین“ ایسی چیز کے علم پر دلالت

کرتا ہے جس کا وجود پہلے نہ تھا، ابن القطان رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب فتح الرحمن میں تفصیل سے بیان کیا ہے (فتح الرحمن: ۲۰)۔

مصنف کا قول: اللہ تعالیٰ نے ان قواعد کا ذکر قرآن میں کیا ہے۔

یہ فرما کر مؤلف - رحمہ اللہ - ان اصول و قواعد کے مراجع و مصادر بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ وہ قرآن سے ماخوذ ہیں، نیز مؤلف - رحمہ اللہ - کی کتابوں کی یہی امتیازی خوبی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے ٹھوس دلائل پر مبنی ہوتی ہیں۔

## پہلا اصول

یہ جان لیں کہ جن کفار و مشرکین سے نبی اکرم ﷺ نے جنگ کی وہ اس بات کا اقرار کرنے والے تھے کہ اللہ ہی رازق، خالق اور مدبر ہے، لیکن ان کے اس اقرار و اعتراف نے انہیں اسلام میں داخل نہ کیا، یعنی وہ مسلمان قرار نہیں پائے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ (یونس: ۳۱) ”اے محمد! آپ کہیے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق (روزی) پہنچاتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ ”اللہ“ تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے۔“

اس پہلے اصول کا معنی و مطلب:

۱- کفار و مشرکین مکہ جن میں رسول اللہ ﷺ نبی بنا کر بھیجے گئے وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، ان میں دین ابراہیمی کی بچی کھچی کچھ باتیں بھی پائی جاتی تھیں، اس لئے تعجب نہیں کہ وہ اللہ کو اپنا خالق و رازق مانیں اور اسے اپنے امور کے مدبر ہونے کے معترف ہوں، لیکن اس کے باوجود ان کے اس اعتراف و اقرار نے کیا انہیں اسلام میں داخل کیا، اور ان کے خون و مال کی حفاظت کی؟۔

مصنف رحمہ اللہ نے قطعی اور ٹھوس دلیل سے یہ واضح فرمایا کہ کفار و مشرکین کے اس اقرار ربوبیت نے انہیں اسلام میں داخل نہ کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کافر ہونے کا حکم سنایا، اور اپنے نبی کو ان کے خلاف جنگ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

۲- امام عبد الوہاب رحمہ اللہ نے اس اصول کو کیوں بیان فرمایا:

امام رحمہ اللہ جس دور میں تھے اور جن حالات سے گزر رہے تھے اپنی گہری فکر و نظر والے شخص کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہو جائے

گی کہ امام رحمہ اللہ نے اس اصول کو کیوں واضح اور ثابت کیا، چونکہ اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرنے والے بیشتر لوگ اسلام کے منافی امور میں مبتلا تھے، اور قبر میں مدفون بزرگوں کی عبادت میں لگ گئے تھے، باوجود اس کے کہ ان کے پیشوا علماء کی ایک ایسی جماعت بھی موجود تھی جنہوں نے باطل کو حق کے لبادہ میں مزین کر کے پیش کیا تھا، امام رحمہ اللہ ان حقائق سے ناواقف نہ تھے، بلکہ اس صورت حال سے مکمل طور پر آگاہ تھے، جس کی وجہ سے ان کے انحراف کے سبب تک پہنچے، یعنی رسول اکرم ﷺ جس توحید کو لے کر آئے تھے اُس حقیقت سے وہ ناواقف تھے جس کی بنا پر وہ اس انحراف کا شکار ہوئے اُن کا اعتقاد یہ تھا صرف توحید ربوبیت ہی کو ماننا ہر آدمی پر واجب ہے، نیز جہالت یا تقلید کی وجہ سے ان کا یہ خیال بھی تھا کہ لا اِلهَ اِلا اللہ کی شہادت (گو اہی دینے) کا مطلب صرف اس بات کا ثابت کرنا ہے کہ اللہ خالق اور ایجادات پر قادر ہے، اس بنا پر جو شخص بعض کفریہ اعمال میں پڑ جاتا ہے جیسے غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنا، غیر اللہ سے مدد چاہنا، اور



اللہ کی مخلوقات میں ایسے لوگوں کو حاجت روائی کے لئے پکارنا جسے عطا کرنے کی صرف اللہ تعالیٰ کو طاقت و قدرت ہے، تو اسے مرتد نہ سمجھا جائے گا، جب تک کہ اس کا یہ اعتقاد موجود ہے کہ اس کائنات میں صرف ایک اللہ ہی مؤثر ہے (دعاوی المناوئین: عبدالعزیز عبداللطیف / ۱۹۳-۱۹۴)۔

لہذا اس اعتقاد کے رد و ابطال میں امام رحمہ اللہ نے اس قاعدہ کو واضح اور ثابت کیا کہ وہ کفار و مشرکین جن سے اللہ کے نبی ﷺ نے جنگ کی، وہ بھی تو توحید ربوبیت کا اقرار کرنے والے تھے، اس کے باوجود اس اقرار و اعتراف نے انہیں مسلمان نہ بنایا۔

۳- دیگر دلائل کے ذکر کے ساتھ آیت کریمہ سے مذکورہ اصول کا وجہ استدلال:

توحید کے مفہوم میں قبر پرستوں کے انحراف کا خلاصہ کچھ اس طرح ممکن ہے کہ ان کا یہ گمان ہے کہ توحید ربوبیت ہی کے لیے رسول ﷺ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، اور اسی کو لے کر مخالفین سے دشمنی ہوئی اور ان کے خلاف جنگیں ہوئیں، اور اسی کے اعتراف سے دنیا میں جان و مال

کے عصمت و تحفظ اور آخرت میں نجات حاصل ہوگی، اور یہ کہ لالہ  
 لا اللہ کا معنی یہ اقرار و اعتراف ہے کہ اللہ خالق و رازق اور تمام کاموں  
 کی تدبیر کرنے والا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے قرآن کی واضح دلیل کی روشنی میں اس  
 اعتقاد کو صحیح اعتقاد کے مخالف اور نقیض ہونے کو واضح فرمادیا، مذکورہ  
 آیت کریمہ کی یہ تشفی بخش وضاحت کا خلاصہ درج ذیل دو باتیں ہیں:  
 ۱- کفار و مشرکین بھی اس بات کا اقرار کرنے والے تھے کہ اللہ ہی ان  
 کا خالق و رازق اور ان کے تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے، لیکن اس  
 اقرار کے باوجود وہ مسلمان قرار نہ پائے، نیز اسی جواب پر اللہ کا یہ قول  
 دلالت کرتا ہے: ﴿وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ  
 فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (الزخرف: ۸۷) ”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ  
 انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ  
 کہاں لٹے جاتے ہیں۔“

یعنی ہمارا رازق، ہمارے آنکھ، کان اور موت و زندگی کا مالک، اور

تمام امور کا مدبر اللہ ہی ہے، اور اس کا اقرار کہ اللہ ہی ان کا خالق ہے، سابقہ آیت میں اچھی طرح ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کچھ یوں بیان کیا ہے: ﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (الزخرف: ۸۷)۔

۲- محض اس توحید ربوبیت کے اقرار سے جہنم سے نجات حاصل نہیں ہو سکتی، اسی بات کی وضاحت آیت کے آخری حصہ سے ہوتی ہے، اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب سے بچنے کا مطالبہ کیا، کیونکہ اگر اس اقرار سے بچاؤ و نجات حاصل ہوتی تو ان سے مطالبہ کیونکر کیا جاتا ہے؟!۔

ابن جریر (رحمہ اللہ) آیت کریمہ کی تفسیر کے ضمن میں فرماتے ہیں: ﴿لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ یعنی وہ آپ کو یہ کہتے ہوئے جواب دیں گے کہ جو سب کچھ کرتا ہے وہی اللہ ہے۔

﴿قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ (المؤمنون: ۸۷) (تو آپ ان سے فرمادیتے کہ تو پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں) یعنی اپنے اس شرک پر اور ایسے

رب کے پکارنے پر جس کی صفت اس حقیقی معبود کی صفت کے علاوہ ہے اس کی پکار سے اللہ سزا سے کیوں نہیں ڈرتے (تفسیر ابن جریر: ۷/۱۱۴)۔

جہاں تک ان لوگوں کا گمان کہ لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ کا مطلب اللہ کے سوا کوئی خالق و رازق اور مدبر نہیں، اور اس معنی کی دلالت، دلالت مطابقی ہے یعنی معنی لفظ کے مطابق ہے، دوسروں لفظوں میں کلمہ لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ سے مراد توحید ربوبیت دلالت مطابقت کے اعتبار سے ہے۔ ان کا یہ ظن و گمان باطل ہے، کیوں کہ جس کو اللہ نے قرآن میں تدبر اور غور و فکر کی توفیق دی، اور جس کو اللہ کے نبی کی سیرت طیبہ میں اور آپ کی اپنی قوم کی دعوت میں غور و فکر کی توفیق دی اس کے لیے کہ یہ بات آسان ہے کہ وہ اس اعتقاد کے فساد و بطلان کو سمجھ لے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کا معنی بیان فرمایا ہے، اور اس کے معنی کی وضاحت اپنے سوا کسی اور کے سپرد نہیں کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ کلمہ (لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ) کا معنی ما سوا اللّٰہ کی عبادت کی نفی اور صرف اللہ کی عبادت کا اثبات ہے، یعنی اللہ کے علاوہ سب سے حقیقی

عبودیت کی نفی، اور صرف ایک اللہ کی عبادت کا اثبات ہے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ☆ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ☆ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الزخرف: ۲۶-۲۸) ”اور جب کہ ابراہیم نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اُن چیزوں سے بے زار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو☆ بجز اس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، اور وہی مجھے ہدایت بھی کرے گا☆ اور (ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اولاد میں بھی باقی رہنے والی بات قائم کر گئے تاکہ لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں۔“

فائدہ: کوئی لفظ کی معنی پر دلالت کرے ایسی دلالت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) دلالت مطابقت یا دلالت تطابق: اگر لفظ سے اس کا پورا معنی مراد لیا جائے تو اسے دلالت مطابقت کہتے ہیں، کیونکہ لفظ معنی کے مطابق ہوتا ہے، (۲) دلالت تضمنی: اگر لفظ سے جزئی معنی مقصود ہو تو

اسے دلالتِ تضمینی کہتے ہیں، کیونکہ وہ جزء اس معنی کے ضمن میں ہوتا ہے، جس کے لیے اسے وضع کیا گیا ہے، (۳) دلالتِ التزامی: اگر لفظ سے اس کے معنی کے لزوم پر دلالت مقصود ہو تو وہی دلالتِ التزامی کہلاتا ہے (شرح القصیدۃ النونیۃ لابن القیم / خلیل الہر اس: ۱۳۵/۲)۔

فائدہ: علامہ عبدالرحمن بن قاسم - رحمہ اللہ - فرماتے ہیں: اس عظیم کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ کا معنی یہ ہے کہ برحق کوئی معبود نہیں مگر صرف ایک اللہ، بلکہ اللہ کے علاوہ جتنے معبود ہیں ان کی الوہیت اور عبادت انتہائی درجہ باطل ہے، یعنی ان کا معبود ہونا سراسر باطل ہے، نیز کلمہ لا الہ الا اللہ کی دلالت توحید الوہیت پر دلالت مطابقت ہے، ایسا ہرگز مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل کلمہ کا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ خالق و رازق اللہ ہی ہے، لا الہ الا اللہ کا کلمہ توحید الوہیت ہے، اور دلالتِ تضمینی کے اعتبار سے وہ اللہ کے خالق و رازق ہونے پر دلالت کرتا ہے، لیکن حقیقت میں کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ توحید الوہیت ہی کے لیے وضع کیا گیا ہے یعنی اللہ رب العزت کے لیے ہر طرح کی عبادت کو خاص کر دینا

(حاشیہ ثلاثہ: ۱ اصول: ۵۰)۔

وہ کونسا کلمہ تھا جسے ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنی ذریت (اولاد) میں چھوڑا، اور اپنی قوم سے خطاب میں اس کے معنی کو مقدم رکھا، سوائے اس کلمہ کے کہ وہ تمام معبودوں سے اپنی براءت کا اعلان کرتے ہیں، اور موجود اللہ واحد کے مستحق عبادت ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ اور سدی وغیر مفسرین ہم نے فرمایا کہ اس کلمہ سے مراد جو قرآن کریم میں وارد ہوا ہے، کلمہ توحید لا الہ الا اللہ ہے جسے ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ہمیشہ لوگ کہتے رہے (تفسیر ابن کثیر: ۴/۹۲۱)۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کلمہ کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے جس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں، اور اللہ کے سوا جتنے بت ہیں سب سے اپنے آپ کو جدا کرنا ہے، یعنی صرف ایک اللہ ہی معبود برحق ہے (ابن کثیر: ۴/۹۲۱)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کے معنی کو خوب واضح کرتا ہے: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ﴾ وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارْكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿ (الصافات: ۳۵-۳۶) ”یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے ☆ اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں گے۔“

اس آیت کریمہ میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے معنی کی دلالت مطابقی یہ نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق و رازق اور مدبر نہیں، واضح رہے کہ مشرکین نے بھی یہی معنی سمجھا تھا، جس کی بنا پر ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ سے اعراض کیا، اگر اس کلمہ کا معنی وہی ہوتا جس کے وہ اعتراف اور اقرار کرنے والے ہوتے تو لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ سے کیوں انکار کرتے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین قریش نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا کیا مطلب سمجھا تھا، واضح رہے کہ انہوں نے اس کلمہ کا بالکل صحیح معنی



سمجھا تھا یعنی اللہ کے علاوہ جتنے معبود ہیں سب کو چھوڑ دینا، اور صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرنا، اسی وجہ سے انہوں نے یوں کہا:

﴿وَيَقُولُونَ أَنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ﴾  
 (الصافات: ۳۶) ”اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں گے۔“

مشرکین کے نزدیک کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی یہی تھا کہ اللہ کے سوا جتنے معبود ہیں سب کو چھوڑ دیا جائے۔

نیز اس صحیح اور حقیقی معنی کی جس کو مشرکین نے سمجھا تھا مزید تاکید ہوئی، اس وقت ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ کہتے ہوئے دعوت دی: (قولوا: لا إله إلا الله) کہو اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں تو انہوں نے یوں جواب دیا: ﴿أَجْعَلِ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص: ۵) ”کیا اُس نے اتنے سارے معبودوں کا ایک ہی معبود کر دیا، واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔“

کفار و مشرکین نے یہی سمجھا کہ اس کا معنی تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنانا ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کیا یہ گمان کیا کہ ایک ہی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، مشرکین نے اس کا انکار کر دیا، (اللہ انہیں رسوا کرے) اور اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنے پر تعجب کرنے لگے، چونکہ ان کو بتوں کی عبادت اپنے باپ دادا سے ورثہ میں ملی تھی، اور اسی سے اُن کے دلوں کو خوب سیراب کیا گیا تھا (تفسیر القرآن العظیم: ۸۲/۴)۔

ان قرآنی دلیلوں سے یہ واضح ہو گیا کہ کلمہ توحید میں ”إِلٰہ“ کا معنی ”معبود“ ہے، اور اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے، برخلاف ان قبر پرستوں کے جن کا اعتقاد یہ ہے کہ لاِ اِلٰہِ اِلَّا اللّٰہُ کا معنی ”لا خالق اَوْ قادر علی الاختراع اِلَّا اللّٰہُ“ یعنی اللہ کے علاوہ کوئی پیدا کرنے والا اور ایجاد پر قدرت رکھنے والا نہیں ہے۔

بے شک جب انہوں نے کلمہ کا یہ معنی نکال لیا تو وہ اپنی سمجھ سے

توحید میں آخری درجے کو پہنچ گئے، اب وہ غیر اللہ کی عبادت جیسے چاہیں  
ویسے کریں، (تیسیر العزیز الحمید، سلیمان بن عبد اللہ بن محمد بن  
عبدالوہاب)۔

## پہلے اصول کی شرح کا خلاصہ

۱- کفار و مشرکین جن سے نبی کریم ﷺ نے قتال کیا وہ توحید ربوبیت کا اقرار کرنے والے تھے، لیکن ان کے اس اقرار و اعتراف نے نہ انہیں اسلام میں داخل کیا، اور نہ ہی ان کی جان و مال کی حفاظت کی۔

۲- قبر پرستوں کا یہی اعتقاد ہے کہ لا اِلهَ اِلاَّ اللهُ کا معنی توحید ربوبیت ہے، اور اس اعتراف سے اسے مسلمان سمجھا جائے گا، اور اسی اعتراف سے اس کے جان و مال محفوظ ہوں گے، لیکن کتاب و سنت اور اجماع کے دلائل کی روشنی میں یہ اعتقاد باطل ہے۔

## دوسرا اصول

مشرکین کہتے ہیں: ہمارا غیر اللہ کو پکارنا اور ان کی طرف متوجہ ہونے کا مقصد صرف شفاعت اور تقرب الہی کا حصول ہے

قربت سے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ملاحظہ ہو: ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ (الزمر: ۳)

”اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں، (اور کہتے ہیں) کہ ہم اُن کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرادیں، یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا، جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا۔“

اور شفاعت کی طلب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ملاحظہ ہو:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾

وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ﴿ (یونس: ۱۸)

”اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ اُن کو نقصان پہنچا سکیں اور نہ اُن کو نفع پہنچا سکیں، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔“

شفاعت کی دو قسمیں ہیں:

۱- ناجائز شفاعت۔

۲- مشروع اور جائز شفاعت۔

ناجائز شفاعت: غیر اللہ سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کیا جائے جس پر اللہ کے علاوہ کوئی بھی قادر نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (البقرة: ۲۵۴)

”اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کے وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور شفاعت، اور کافر ہی ظالم ہیں۔“

مشروع اور جائز شفاعت: یہ ایسی شفاعت ہے جو اللہ سے طلب کی جائے ، اور شفاعت کرنے والے کی شفاعت کی قبولیت میں اس کی تکریم و احترام ہے، شفاعت کی اجازت مل جانے کے بعد اللہ تعالیٰ جس کے قول و عمل سے راضی ہو اس کے لئے شفاعت کی اجازت ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة: ۲۵۵) ”کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے“۔

کفار و مشرکین کا شفاعت اور تقرب کے لیے غیر اللہ کو پکارنا بڑا اہم اصول ہے، کیونکہ شفاعت کے موضوع سے اس اصول کا بہت گہرا ربط و تعلق ہے، اس لیے کہ قدیم و جدید دور کے مشرکین شفاعت کے چکر ہی میں اللہ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کر بیٹھے۔

**شفاعت کا لغوی معنی:**

شفاعت عربی (جرّواں) میں طاق کے برعکس ہے، یعنی جفت و جوڑا۔ جب بولا جائے: شفع لی يشفع شفاعة و يشفع، تو اس کا معنی ہوتا ہے: طلب

کیا، شافع کی جمع شفعاء ہے، اور استشفعہ کا معنی ہے اس سے شفاعت طلب کی (لسان العرب: ۸ / ۱۸۳-۱۸۴)۔

### شفاعت کا اصطلاحی معنی:

شفاعت کی متعدد تعریف کی گئی ہے انہیں میں سے ایک جامع تعریف یہ ہے: دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی خاطر یا اسے نقصان سے بچانے کے لئے وسیط (بچوئے) کا کام کرنے والا) بنا (شرح لمعة الاعتقاد لابن شمیمین ۱۲۸)۔

شفاعت کی یہ جامع تعریف ہے جو دینی و دنیاوی تمام کاموں کو شامل ہے۔

### ۱- دوسرے اصول کا معنی و مفہوم:

عربوں کے نزدیک بت پرستی شرک کے بہت بڑے مظہر کے طور پر رائج تھی حتیٰ کہ ان کے گھروں میں بت رکھے ہوتے تھے جن کی وہ پوجا کرتے، یہی نہیں بعض ایسے عربی قبائل بھی تھے جنہوں نے عبادت کی خاطر مخصوص قسم کی مورتیاں بنا رکھی تھیں جیسے قبیلہ طی والنعم کے خاص بت جس کا نام ”یغوٹ“ اور قبیلہ کلب کا خاص بت ”ود“



تھا (سیرۃ ابن ہشام: ۱/۹۷)۔

تعب تو یہ ہے کہ ان بتوں کی بڑے پیمانے پر عبادت کی جاتی تھی جب کہ ان کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ یہ محض لکڑیوں اور پتھروں سے بنائے ہوئے بت تھے۔

ان بتوں کی اصل یہ تھی کہ انہیں ایک غائب معبود کی شکل میں ڈھالا گیا تھا، اور اسی شکل و ہیئت پر ان کی مورتیاں بنائی گئی تھیں تاکہ یہ معبود کے نائب و قائم و مقام ہو سکیں، ورنہ یہ بات خیالی اور تصور سے دور کی ہے کہ ایک عقل مند آدمی اپنے ہاتھوں سے لکڑی اور پتھر سے بت تراشے اور مورتی بنائے اور گڑھے اور پھر اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ اس کا معبود ہے (إعانة اللفہان لابن القیم: ۱۸۲/۲)۔

کفار و مشرکین کو اس بات کا اقرار تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق، مالک اور مدبر ہے، روزی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے اور یہ بت مخلوق ہیں، اس کے باوجود ان کو کس چیز نے ان بتوں اور مورتیوں کو پوجنے پر آمادہ کیا؟ (قاعدہ فی التوسل والوسیلہ لشیخ الإسلام ابن تیمیہ: ۳۸۱)۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں بیان فرمایا کہ کفار و مشرکین کو بتوں کی پوجا پر جس چیز نے آمادہ کیا وہ ان سے اللہ کے حضور شفاعت کی طلب تھی اور یہ کہ یہ عمل ان کو اللہ سے قریب کر دیں گے، اس لیے کفار و مشرکین نے جب فرشتوں، نبیوں اور نیک لوگوں کو اپنے سفارشی ہونے کا اعتقاد بنا لیا، تو ان کے مجسمے بنائے، اور کہنے لگے کہ ان مجسموں اور مورتیوں سے ہمارا سفارش طلب کرنا حقیقت میں انہیں (فرشتوں، نبیوں اور صالحین) سے سفارش چاہنا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر و شرک کا حکم لگایا (قاعدہ التوسل والوسیلہ لشیخ الإسلام ابن تیمیہ: ۳۳)۔

**شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اس اصول کو کیوں ثابت کیا؟**

۲- اس بات کی وضاحت گزر چکی ہے کہ گزرے ہوئے بزرگوں کے شرک میں واقع ہونے کا سبب اللہ سے تقرب کا حصول اور شفاعت کی تلاش ہی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو (اپنا) نبی و رسول بنا کر بھیجا، آپ ﷺ نے صاف صاف بیان فرمادیا کہ یہ کفر و شرک ہے، اور رب کے شان میں ہتک آمیز رویہ ہے، پھر آپ ﷺ نے ان

سے بھر پور جنگ کی یہاں تک کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کے عقائد کو ترک کر دیا، اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے، لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایسا زمانہ آجائے گا کہ بات جہاں تھی وہیں دوبارہ پہنچ جائے گی اور لوگ دوبارہ قبروں کے پجاری اس عذر کی بناء پر ہوں گے کہ اللہ کی عبادت میں وہ شرک اسی سبب سے کر رہے ہیں بت پرستوں نے جس کو بنیاد بنا کر ہی بت پرستی شروع کی تھی کہ ان کا مقصد بتوں کی اس پوجا پاٹ سے صرف اللہ کا تقرب اور شفاعت کا حصول ہے، لہذا امام رحمہ اللہ نے اس اصول کو ثابت کیا تاکہ اس بات کی وضاحت کر دیں کہ یہ کام تو گزرے ہوئے لوگوں کا شرک ہے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے اس زمانہ میں جو دعا و پکار کی جاتی ہے اس کی متعدد قسمیں ہیں.....

انہی قسموں میں سے ایک اہم قسم یہ ہے کہ آدمی اللہ کو پکارے اور اسی کے ساتھ نبی اور ولی کو بھی پکارے، اور کہے کہ میں ان کی شفاعت چاہتا ہوں، ورنہ مجھے اس بات کا علم ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی نفع و نقصان نہیں

پہنچا سکتے چونکہ میں گنہگار ہوں اور اس صالح نیک آدمی کو پکارتا ہوں تاکہ وہ میرے لئے شفاعت کر دے، یہ وہی فعل ہے جسے کفار و مشرکین کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف اس وقت تک جہاد جاری رکھی جب تک کہ انہوں نے یہ کام چھوڑ نہ دیا (الدرر السنیۃ: ۲/ ۲۳-۸۴)۔

### ۳- مذکورہ بالا دو آیتوں سے وجہ استدلال کی وضاحت:

ان دونوں آیتوں نے درج ذیل جملہ حقائق کی نشاندہی کی۔

۱- تقرب اور شفاعت کی خاطر عبادت الہی کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا کفار و مشرکین کا دین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الزمر کی ابتدائی آیتوں میں اس کی صراحت فرمائی ہے، مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر آپ سورۃ الزمر کی ابتدائی آیتیں پڑھیں گے تو پتہ چلے گا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس میں دین اسلام اور دین کفار نیز ان کے مقاصد کو بیان کیا ہے (الدرر السنیۃ: ۱/ ۶۰)۔

۲- بندے اور اس کے رب کے درمیان سفارش کرنے والے کو رکھنا، شرک، اور بڑا کفر ہے، اور رب العالمین کی تنقیص و توہین ہے، اس کے لیے عذر و معذرت جھوٹی بات ہے جو قابل قبول نہیں، اس بات کی

دلیل مذکورہ دونوں آیتوں کے آخر میں بیان ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (یونس: ۱۸)

”وہ (اللہ کی ذات) پاک اور برتر ہے، اُن لوگوں کے شرک سے“۔

نیز فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ (الزمر: ۳) ”یقیناً اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو راہ نہیں دکھاتا“۔

جب اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ طلب شفاعت کی خاطر ہی

کفار و مشرکین غیر اللہ کی عبادت میں پڑے، تو یہ بات معلوم ہوئی کہ

اللہ نے اپنی ذات کی پاکی بیان فرمادی یہیں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ

ایسا فعل ہے جو رب کی تنقیص و توہین کا باعث ہے۔ لہذا جب اللہ

تعالیٰ اپنی ذات کی پاکی بیان فرماتا ہے، تب تب کسی بھی بری چیز کے

اوصاف سے اس کی ذات کی پاکی بیان کرنا ہے۔

نیز مؤلف - رحمہ اللہ - نے کفار کے اس فعل کو شرک کا نام دیا،

پس جو شخص انہی جیسا کام کرے گا وہ کفار و مشرکین کے گروہ ہی سے ہوگا۔

دوسری آیت میں اسے شدید کفر کہا ہے، ”کفار“ مبالغہ کا صیغہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا کفر اپنی حد کو پہنچا ہوا تھا (یعنی انتہائی درجے کا کفر تھا)۔

سفارش بنانے میں قبر پر سنتوں کو یہ شبہ لاحق ہوا کہ انہوں نے اس سے رب کی تعظیم و تکریم کا ارادہ کیا، اور اس میں قیاس اولیٰ ہی پر اعتماد کیا ہے، انہوں نے رب تعالیٰ کو اس زمین پر موجود بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح کا سمجھا، جن سے بغیر کسی واسطے کے کچھ بھی مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ان کی تعظیم و تکریم کی خاطر درمیان میں سفارشی کا ہونا لازمی ہے، لہذا اللہ کی ذات تو اس سے کہیں زیادہ حقدار اور بہتر ہے اس تک پہنچنے کے لیے کسی کونچ میں ڈالا جائے۔

اس شبہ کا جواب:

یہ بالکل محال ہے کہ رب کریم کو بادشاہوں اور بڑوں جیسا قرار دیا

جائے اور ان پر رب کریم کو قیاس کیا جائے، اسی فاسد قیاس کی بنا پر بتوں کی پوجا ہونے لگی، اور کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کو سفارشی اور ولی (دوست) بنا لیا۔

یہ قیاس اس بنا پر فاسد ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق پایا جاتا ہے، خالق اور مخلوق کے درمیان فرق، رب اور مربوب (جس کی پرورش کی جائے) کے درمیان فرق، اسی طرح مالک اور غلام، مالدار اور فقیر کے درمیان فرق ہے، رب وہ ہے جو قطعاً کسی کا محتاج نہیں اور ہر اعتبار سے سب اس کے محتاج ہیں، ان لوگوں کے درمیان سفارش کرنے والے بادشاہوں اور بڑوں کے شریک اور ساجھی دار ہوتے ہیں، اور جن سے اُن کے مصالح جڑے ہوتے ہیں وہی ان کے اعوان و انصار ہوتے ہیں، پس بادشاہوں اور بڑوں کا اپنے وزراء اور قریبی لوگوں کی سفارش قبول کرنا صرف اس واسطے ہوتا ہے کہ بادشاہ انہی وزراء کے محتاج ہوتے ہیں اس لیے ان کی شفاعت (سفارش) کی قبولیت کے محتاج ہیں، اور اس بات سے گھبراتے ہیں کہ ان کی سفارش کے نہ قبول کرنے

کی صورت میں ان کی اطاعت و فرمانبرداری میں نقص و کمی واقع نہ ہو جائے، اسی وجہ سے ان کے پاس جاتے ہیں، تو ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں پاتے، لہذا ان کی شفاعت کی قبولیت کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے بے نیاز ہے، یہ بے نیازی اس کی ذات کو لازم ہے، جو بھی اس کے علاوہ ہیں سب کے سب اللہ کی ذات کے محتاج ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة: ۲۵۵) ”اس کی ملکیت میں زمین اور آسمانوں کی تمام چیزیں ہیں، کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے۔“

اس آیتِ کریمہ میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی کہ سارے آسمانوں اور زمین کا وہی تنہا مالک ہے، لہذا اس صورت میں ضروری ہے کہ تمام شفاعتیں صرف اللہ ہی کے لیے ہوں، اور کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا، کیونکہ کوئی اللہ کا شریک نہیں، بلکہ



سب محض غلام ہیں جب کہ اس کے برخلاف اہل دنیا ایک دوسرے کے حق میں سفارش کرتے رہتے ہیں (اناشیۃ الہامیان: ۲۰۳، ۲۰۴، تفسیر سعد: ۷۱۸)۔ جب مصنف رحمہ اللہ نے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ پہلے لوگوں کے شرک میں واقع ہونے کی وجہ طلب شفاعت ہی تھی، تو اس کے بعد وضاحت فرمائی کہ شفاعت کی دو قسمیں ہیں۔

#### ۱- ناجائز شفاعت:

یہ ایسی شفاعت ہے جس کی اللہ عزوجل نے نفی فرمائی ہے، اور کفار و مشرکین اور انہی جیسے اس امت کے نادان و بے علم لوگوں نے اسے روار کھا ہے (قاعدہ فی التوسل والوسیلہ: ۲۰۸)۔

مصنف رحمہ اللہ نے اس شفاعت کی تعریف یوں کی ہے کہ ناجائز شفاعت وہ ہے جو غیر اللہ سے طلب کی جائے، ناجائز اور غیر مشروع شفاعت کی تعریف ایسے بھی کی جاسکتی ہے کہ یہ ایسی شفاعت ہے جس میں ثابت اور مشروع شفاعت کی شرطوں میں سے کوئی شرط ناپائی

جائے، نیز مصنف رحمہ اللہ نے اس شفاعت کے متعلق درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةً وَلَا شَفَاعَةً وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (البقرة: ۲۵۴) ”اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کے وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی اور شفاعت، اور کافر ہی ظالم ہیں۔“

۲- مشروع اور ثابت شفاعت: مؤلف نے اس کی تعریف یوں فرمائی ہے کہ یہ وہ شفاعت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کی جائے، پھر اس شفاعت کی دو شرطیں ہیں:

- ۱- شفاعت کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت۔
- ۲- جس کے لئے شفاعت کی جائے اس سے راضی ہونا؛ یعنی وہ موحد ہو، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

أَنَّهُ قَالَ: قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَسْعَدُ النَّاسَ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوْلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ أَسْعَدُ النَّاسَ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ، أَوْ نَفْسِهِ (صحيح البخاري/ كتاب العلم: ۹۹).

”رسول اکرم سے کہا گیا: اللہ کے رسول! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کی سعادت کا سب سے زیادہ کون مستحق ہوگا؟ فرمایا: ”ابو ہریرہ! مجھے یقین تھا کہ تم سے پہلے کوئی اس کے بارے میں مجھ سے نہیں پوچھے گا، کیوں کہ میں نے حدیث کے متعلق تمہاری حرص اور دلچسپی دیکھ لی تھی، سنو! قیامت میں میری شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہوگا جو سچے دل سے ”لا الہ الا اللہ“ کہے گا،“ یعنی توحید خالص کا اقرار کرے گا۔  
 مؤلف - رحمہ اللہ - کا قول: (شفاعت کرنے والا معزز و مکرم ہے)۔

اس جملہ میں شفاعت کی حکمت کا بیان ہے کہ شفاعت سے جو فائدہ حاصل ہوگا اللہ عز و جل اس کو ابتداء ہی میں دینے پر قادر ہے، وہ انسانوں کے درمیان فیصلہ کرے گا، نافرمانوں و گنہگاروں کو جہنم سے نکال لے گا، اور بعض جنتیوں کے درجات و مراتب کو بغیر کسی شفاعت کے بلند کرے گا، لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بلیغ حکمت ہے، اور اسی میں سے شفاعت کرنے والے کی عزت و تکریم بھی ہے، اور اس کی دو صورت ہے:

۱- جس کے لئے شفاعت کی جا رہی ہے اس پر شفاعت کرنے والے کی فضیلت کا اظہار۔

۲- اللہ کے نزدیک شفاعت کرنے والے کے مرتبہ و مقام کا اظہار (القول المفید شرح کتاب التوحید لابن شمیمین: ۳۴۵-۳۴۶)۔

یہاں شفاعت سے متعلق ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جس نے کسی نبی یا ولی (بزرگ) کو صرف شفاعت کے لئے پکارا؟۔

درج ذیل چار مقدمات سے اس کے جواب کا خلاصہ کچھ اس طرح ممکن

ہے:

۱- شفاعت دعا کی ایک قسم ہے (الفتاویٰ: ۲۰۰/۱)۔

۲- شفاعت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾ (الزمر: ۴۴)۔

”کہہ دیجئے کہ تمام سفارش کا مختار اللہ ہی ہے“۔

۳- جب شفاعت اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے تو اسی سے اس کا طلب کرنا

واجب ہے۔

۴- جس نے اللہ کے علاوہ ایسی چیزوں کی مدد کے لئے کسی کو پکارا جو اللہ

کے علاوہ اس کی بجا آوری پر قدرت نہیں رکھتے، تو وہ مشرک ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مردوں سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے۔

علامہ سلیمان بن عبد اللہ آل الشیخ - رحمہ اللہ - فرماتے ہیں: اگر

آپ یہ اعتراض کریں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تو صرف شرک کا حکم

شفاعت کرنے والوں کی عبادت (پوجا) کرنے والوں پر لگایا ہے، لیکن

جو صرف انہیں شفاعت کے لئے پکارتے ہیں، وہ ان کی عبادت نہیں

کرتے، لہذا یہ شرک نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کو صرف سفارشی بنانے ہی سے شرک لازم ہو جاتا ہے، اور اس کے لیے شرک اور سفارشی بنانا دونوں یوں ہی لازم و ملزوم ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے شرک اور رب سبحانہ و تعالیٰ کی تنقیص و توہین دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، وہ چاہے مانے یا انکار کرے، اس بنا پر اصلاً یہ سوال ہی باطل ہے، جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں، اور یہی وہ چیز تھی جسے مشرکین نے اپنے ذہن و دماغ میں بٹھار رکھا تھا، کیونکہ دعا عبادت ہے، بلکہ عبادت کا مغز ہے، لہذا جس کسی نے انہیں شفاعت کے لئے پکارا تو یقیناً چاہتے یا ناچاہتے ہوتے ان کی عبادت کی، اور اللہ کی عبادت میں ان کو شریک کیا (تیسیر العزیز الحمید: ۷۲۳)۔

شیخ احمد بن عیسیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ نے یہ بتایا ہے کہ تمام اقسام کی شفاعت اللہ ہی کے لئے خاص ہے، تو جس نے اللہ کے علاوہ کسی سے شفاعت طلب کی گویا اس نے

ایسے شخص سے طلب کیا جو نہ اس کا مالک ہے، نہ وہ اسے سنتا ہے نہ ہی اسے عطا کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اور وہ اس وقت کے علاوہ ہے جس میں شفاعت واقع ہوتی ہے، اور نہ ہی اسے شفاعت کی قدرت حاصل ہے سوائے اس کے جس کی شفاعت کے لئے اللہ کی رضا ہو، تو اس صورت میں وہ مقبول ہوگی، لہذا دنیا میں اس شخص کے لئے شفاعت طلب کرنا جس کے لئے شفاعت کی اجازت ہے جملہ عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے، اور پھر اسے غیر اللہ کی طرف پھیرنا شرک عظیم ہے (الرد علی شبہات المستغیثین بغیر اللہ۔ ۴۷، ۴۸، فتاویٰ: ۱/۲۴۱، ۱۶۰، ۱۶۱)۔

## دوسرے اصول کی شرح کا خلاصہ

۱- شفاعت کی طلب اور تقرب الہی کی خاطر غیر اللہ کی طرف عبادت پھیرنا کفار و مشرکوں کا دین ہے۔

۲- بندے اور رب کے درمیان سفارشی بنانا شرک، سخت کفر اور اللہ رب العالمین کی تنقیص و توہین ہے۔

۳- قبر کے پجاریوں کا یہ دعویٰ کہ شفاعت سے ان کا مقصد رب کی تعظیم ہے، اس سے تعظیم نہیں ثابت ہوتی، بلکہ اس میں رب کی توہین و تنقیص ہے، کتنے ایسے ہیں جو کسی شخص کی تعظیم کا قصد کرتے ہیں حالانکہ اس سے ان کی توہین ہوتی ہے۔

۴- قرآن میں شفاعت کی دو قسم ہے ایک ناجائز شفاعت، اور دوسری شرط کے ساتھ مشروع اور ثابت شفاعت۔

۵- مشروع اور جائز شفاعت کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سفارش کرنے والے کی فضیلت کو ظاہر اور اس کی قدر و منزلت بیان کی ہے۔

۶- جس نے نبی یا ولی (پیر) کو شفاعت کے ارادے سے پکارا وہ مشرک ہے۔



## تیسرا اصول

نبی کریم ﷺ ان تمام لوگوں پر غالب آئے جو اپنی عبادتوں میں متفرق تھے، ان میں سے کچھ فرشتوں کو پوجتے اور کچھ انبیاء و صالحین کو، کچھ درختوں اور پتھروں کی پوجا کرتے تھے، اور بعض سورج و چاند کے آگے سر جھکاتے تھے، آپ ﷺ نے ان سب سے جنگ کی اور ان کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہیں کیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ (الأنفال: ۳۹) .

”اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں شرک کا فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔“

اور سورج و چاند کی پوجا کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (فصلت: ۳۷) .

”اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کا کرو، جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے۔“

فرشتوں کی عبادت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ﴿وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا﴾ (آل عمران: ۸۰) ”اور یہ نہیں (ہو سکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے۔“

انبیاء و رسل کی پوجا کے بارے میں اللہ کا یہ قول ملاحظہ ہو: ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (المائدة: ۱۱۶) ”اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے اُن لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو۔“

نیک اور صالح لوگوں کی عبادت کے متعلق اللہ کا قول: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ﴿ (الإسراء: ۵۷)

”جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ اُن میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے، وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔“

درختوں کے بارے میں اللہ کا یہ فرمان پڑھیں:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۖ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۗ﴾  
 (النجم: ۱۹-۲۰)

”کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا☆ اور منات تیسرے پچھلے کو“  
 حدیث ہے:

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا خَرَجَ إِلَىٰ حُنَيْنٍ، مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِينَ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ، يُعَلِّقُونَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «سُبْحَانَ اللَّهِ! هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَىٰ: اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ، وَالَّذِي نَفْسِي

بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ» .

ابو واقد لیشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے لیے نکلے تو آپ کا گزر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے ہوا جسے ذات النواط کہا جاتا تھا، اس درخت پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک ذات النواط مقرر فرما دیجئے جیسا کہ مشرکین کا ایک ذات النواط ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سبحان اللہ! یہ تو وہی بات ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ ہمارے لیے بھی معبود بنا دیجئے جیسا ان مشرکوں کے لیے ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم گزشتہ امتوں کی پوری پوری پیروی کرو گے (سنن الترمذی: کتاب القنن، باب: ناجاء لتركمن سنن من كان قبلکم (۲۱۸۰) صحیح۔

### ۱- تیسرے اصول کا معنی اور مفہوم:

عربوں کی اکثریت نے اسماعیل علیہ السلام کی دعوت پر دین ابراہیمی کو قبول کیا، وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے، اور دین ابراہیمی کو اپنا دین بنایا، جب ایک لمبی مدت گزر گئی تو جس دین کی ان کو دعوت دی گئی تھی اسے بھلا بیٹھے اور شرک میں مبتلا ہو گئے، وہ گمراہی کی ہر وادی میں آوارہ پھرنے لگے، بعض لوگ بتوں کی عبادت میں لگ گئے جو حقیقت میں فرشتوں، انبیاء اور نیک لوگوں کی عبادت تھی، اور بعض لوگ درختوں اور پتھروں کی پوجا پاٹ میں لگ گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ نبی (محمد ﷺ) کو بھیجا، پھر بھی وہ لوگ انہی بتوں کی عبادت میں لگے رہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بلا کسی تفریق و امتیاز کے ان سب سے جنگ کا حکم دیا، کیونکہ جنگ کی علت جو بھی ہو اس کا مقصود ہر طرح کے شرک کو مٹانا اور صرف اللہ تعالیٰ کے دین پر لوگوں کو اکٹھا کرنا ہے۔

۲- امام رحمہ اللہ نے اس اصول کو کیوں مقرر کیا؟۔

امام رحمہ اللہ اور ان کے متبعین اصل دین اسلام یعنی توحید خالص پر علمی، عملی اور دعوتی طور پر قائم تھے، اور توحید خالص کی خاطر گزرے بزرگوں اور ولیوں کی عبادت کرنے والے قبر پرست دعوت کے مخالفین کے خلاف قرآنی دلائل کی روشنی میں ڈتے رہے، ان لوگوں کا جواب صرف یہ تھا کہ یہ آیت کہ مردہ اولیاء اور صالحین کی عبادت کفر ہے جو بتوں کی عبادت کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، تو آپ بزرگوں اور انبیاء کو بت کیسے قرار دے رہے ہیں؟ اسی اعتراض کے پیش نظر مصنف رحمہ اللہ نے یہ اصول مقرر کیا، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت مختلف قسم کے باطل معبود پائے جاتے تھے، صرف بتوں ہی کی پوجا کی جاتی تھی بلکہ کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو فرشتوں، انبیاء اور بزرگوں کی پوجا کرتے تھے، لیکن جس اللہ نے حکم میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا، جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جان لو (اللہ آپ کا بھلا کرے) کہ شرک سے زمین بھری پڑی ہے، جسے لوگوں نے بزرگوں سے اعتقاد و محبت کا نام دے رکھا ہے، آپ پر یہ بات چار باتوں سے واضح ہو جائے گی۔

نیز یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دلائل تو ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو بتوں سے شفاعت طلب کرتے ہیں، اور ہم تو نیک لوگوں سے شفاعت طلب کرتے ہیں، تو اللہ کے اس فرمان کو جان لو: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ﴾ (الإسراء: ۵۷) ”جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں“۔

امید ہے کہ رسول اللہ کے دین سے اللہ کے دشمنوں کی جہالت و نادانی کو سمجھ سکتے ہو (الدرر السنیۃ ۱/۱۶۰)۔

### اس اصول کے دو اہم مضمون:

۱- غیر اللہ کی پوجا کرنے والے ہر آدمی سے جنگ کا عمومی حکم ہے، جس کی پوجا کی جا رہی ہے وہ چاہے بت ہو یا ولی، درخت ہو یا پتھر، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ (الأنفال: ۳۹) ”اور تم ان سے اس حد

تک لڑو کہ اُن میں شرک و کفر نہ رہے، اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔“  
**وجہ استدلال:**

۱- جنگ کی علت دین کو غیر اللہ کے لئے قرار دینا ہے، اور یہ اللہ کے سوا عبادت کرنے والے پر ہر فرد کو شامل و عام ہے، جس کی عبادت کی جا رہی ہے، اس سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ بت ہو یا نبی، ولی ہو یا پتھر۔  
 ۲- رسول اللہ کی بعثت کے وقت مختلف معبودان باطل پائے جاتے تھے، انہی میں سے چند یہ ہیں:

**سورج و چاند کی پوجا:**

اس کی دلیل اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (فصلت: ۳۷)۔ ”اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیوں میں سے ہیں، تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اس اللہ کے لیے کرو، جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے۔“



اللہ اور اللہ کے رسول نے جن کفار و مشرکین کو شرک کے وصف

سے متصف کیا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں، قوم نوح اور قوم ابراہیم۔

نوح علیہ السلام کی قوم کا اصل شرک بزرگوں کی قبروں پر کھڑا

ہونا تھا، پھر وہ ان بزرگوں کا مجسمہ بنا کر اس کو پوجنے لگے، جب کہ ابراہیم

علیہ السلام کی قوم کی اصل شرک سورج چاند، اور ستاروں کی پوجا تھا،

انہیں مشرک صابی کے نام سے جانا جاتا تھا جو عراق میں آباد تھے، جیسا

کہ سورۃ الأنعام میں اللہ تعالیٰ نے ان کا واقعہ بیان فرمایا ہے، پھر یہ دین

سبا (یمن) میں ظاہر ہوا جہاں سورج کی پوجا کی گئی جیسا کہ سورۃ النمل

میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کی ہے۔

(فائدہ: ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صابئہ بڑی امتوں میں سے ایک

بڑی امت تھے، ان کے بارے میں اہل علم نے کافی اختلاف کیا ہے، ان

میں مومن بھی ہیں، اور کافر بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ

الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ

آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۹﴾ (سورة المائدة: ۶۹).  
 ”مسلمان، یہودی، صابی (ستارہ پرست) اور نصرانی کوئی ہو، جو بھی اللہ  
 تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ بالکل  
 بے خوف رہے گا، اور بالکل بے غم ہو جائے گا۔“

عرب کے بتوں میں سے ایک بت کا نام ”شمس“ تھا، اسی نسبت  
 سے وہ عبد شمس نام رکھتے تھے، اس طرح انہوں نے ”شمس“ (سورج)  
 کو اپنے معبودوں کے ناموں میں سے ایک نام بنا رکھا تھا، اور یہ بات بھی  
 بیان کی جاتی ہے کہ قبیلہ کنانہ کے کچھ لوگ چاند کی پوجا کرتے تھے  
 (التحریر والتتویر: ۲۹۹/۱۱، اغاثة اللفہان: ۲/۲۰۳)۔

شام اور یمن کے بہت سارے لوگوں نے دین صابی کو اختیار  
 کر لیا، اور نئے نئے دین کے آنے کی وجہ سے صابی دین سکڑ گیا (الرحیق  
 المنخوم: ۳۶-۳۷)۔

نبی کریم ﷺ نے سورج نکلنے اور ڈوبنے وقت نماز پڑھنے سے اس  
 لیے منع فرمایا ہے تاکہ کفار کی مشابہت سے بچا سکے، نیز شرک میں

ملوث ہونے کے ذرائع کا دروازہ بند کیا جاسکے، نیز اللہ کے نبی کریم ﷺ نے اس بات سے آگاہ کیا کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان سے نکلتا اور ڈوبتا ہے، اور اس وقت کفار اس کی پوجا کرتے ہیں۔ (مسلم، حدیث نمبر: ۸۳۲)۔

**بعثت نبوی کے وقت فرشتوں کی پوجا:**

بعثت کے وقت جن معبودوں کی پوجا کی جاتی تھی ان میں فرشتے بھی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں یوں مذکور ہے: ﴿وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا﴾ (آل عمران: ۸۰) ”اور یہ نہیں (ہوسکتا) کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم کرے“۔

نیز قرآن کریم میں دوسرے مقام پر یوں آیا ہے: ﴿وَيَوْمَ يُحْشِرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ ☆ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيِّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ﴾

(سبأ: ۴۰-۴۱)۔ ”اور اُن سب کو اللہ اس دن جمع کر کے فرشتوں سے سوال کرے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے ☆ وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے، اور ہمارا ولی تو ہی ہے، نہ کہ یہ بلکہ یہ لوگ جنوں کی عبادت کرتے تھے، اُن میں کے اکثر کا ان ہی پر ایمان تھا۔“

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا: کیا تم نے مشرکوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا؟ فرشتے اللہ کی ذات کی پاکی بیان کریں گے اور کہیں گے: ایسا ہرگز نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہو، اور بتائیں گے کہ ان کی عبادت کی طرف دعوت دینے والے جن یعنی شیاطین تھے (تفسیر ابن کثیر: ۸۶۲/۳)۔

جن کفار و مشرکین سے گفتگو کرتے، اور بعض چیزوں میں ان کی مدد کرتے، پھر وہ یہی سمجھ بیٹھے کہ وہ فرشتوں کی عبادت کر رہے ہیں، جب کہ حقیقت میں وہ جن کی پوجا و بندگی کرتے تھے (قاعدہ فی التوسل والوسیله: ۳۹)۔

بعثت نبوی کے وقت انبیاء کی پرستش:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت جن معبودوں کی عبادت و بندگی کی جاتی تھی ان میں انبیاء و رسل بھی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا: ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ آأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (المائدة: ۱۱۶) ”اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو“۔

### بعثت نبوی کے وقت بزرگوں کی عبادت و بندگی:

بعثت رسول ﷺ کے وقت بزرگوں کی پوجا ہوتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ﴾ (الإسراء: ۵۷) ”جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے

، وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے، اور اس کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں۔“

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلف کے ایک گروہ نے کہا ہے:  
ایسی قومیں تھیں جو مسیح (عیسیٰ علیہ السلام)، عزیر اور فرشتوں کو پکارتی تھیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا۔ یہ تو میرے بندے ہیں جیسے کہ تم لوگ میرے بندے ہو، وہ میری رحمت کی ایسے ہی امید رکھتے تھے جیسے تم رکھتے ہو، اور میرے عذاب سے ایسے ہی ڈرتے ہیں جیسے تم لوگ ڈرتے ہو (الدر السنیۃ: ۱۴۵۱)۔

عزیر کے بارے میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ نبی تھے یا نہیں؟۔  
ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشہور بات ہے کہ عزیر بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک نبی تھے، اور وہ داود و سلیمان اور زکریا و یحییٰ (علیہ السلام) کے عہد کے ما بین تھے۔

یہیں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس آیت کریمہ میں فرشتوں اور انبیاء کی پوجا اور بندگی کا ذکر ہے، یہ بات بھی گزر چکی کہ مصنف رحمہ اللہ

نے اس کی دلیل بھی بیان کی ہے، اور اس آیت کو انہوں نے یہاں اس مقصد کے پیش نظر ذکر کیا ہے، تاکہ مشرکوں کے نیک لوگوں کی عبادت و بندگی پر دلیل پکڑیں، تو اس آیت سے بزرگوں کی پرستش پر دلیل پکڑنا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔

آیت سے دو شکل میں دلیل پکڑی جاسکتی ہے:

۱- انبیاء اور فرشتے دونوں مخلوقات میں سب سے نیک و صالح لوگ ہیں۔

۲- فقہی قاعدہ ہے کہ نصوص کتاب و سنت میں وارد الفاظ میں عام معنی کا اعتبار ہوتا ہے، کسی خاص سبب سے وہ اس خاص سبب کا بن کر نہیں رہ جاتے، تو یہ ان تمام معبودان کو شامل ہیں جو اللہ کے علاوہ پوجے جائیں اور جن کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ مانا جائے، اور ان سے امید رکھی جائے، تو اس میں انبیاء کے علاوہ تمام نیک و بزرگ لوگ داخل ہیں، ساتھ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ کی بعثت کے وقت انبیاء کے علاوہ نیک لوگوں کی پوجا بھی کی جاتی تھی، جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ کی ماں (مریم) کی پوجا

کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ  
 أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ  
 اللَّهِ﴾ (المائدة: ۱۱۶)۔ ”اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کہ اللہ  
 تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا  
 کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو“۔

لات کی پوجا کی گئی جو حاجیوں کے لئے ستو گھولتا تھا، جب وہ مر گیا  
 تو لوگ اس کی قبر پر بیٹھ گئے یعنی مزار بنا کر اسے پوجنے لگے (تفسیر ابن  
 کثیر: ۲/۲۵۵)۔

آیت کا یہ معنی ”اللات“ کی ”ت“ کو تشدید کے ساتھ پڑھنے کی  
 صورت میں ثابت ہے اور یہ قراءت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی  
 ہے۔

بعثت رسول کے وقت درختوں اور پتھروں کی پوجا:

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت جن معبودوں کی عبادت کی  
 جاتی تھی ان میں درخت اور پتھر بھی شامل تھے جیسا کہ اللہ نے فرمایا:



﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۖ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ﴾  
 (النجم: ۱۹-۲۰). ”کیا تم نے ”لات“ اور ”عزلی“ کو دیکھا☆ اور  
 تیسرے پچھلے ”منات“ کو۔“

شہر طائف میں ایک سفید منقش چٹان تھی جس پر ایک گھر بنا ہوا  
 تھا جو ایک چہار دیواری میں تھا، اور چاروں طرف کشادہ آنگن تھا، جو  
 طائف والوں کی نظر میں بڑی قابلِ عظمت تھا۔

اور درختوں کی عبادت کی دلیل یہ ہے کہ ”عزلی“ ایک درخت تھا  
 جس پر گھر بنا تھا اور اس پر پردے تھے اور وہ ایک کھجور کے باغ میں تھا  
 (المرجع السابق)۔

حدیث سے بھی درختوں کی عبادت پر دلیل ملتی ہے۔ ذاتِ انواط  
 والی حدیث کی دلیل ظاہر و باہر ہے اس حیثیت سے کہ وہ مشرکین اس  
 بیری کے درخت کے پاس ٹھہرتے، اور اس سے تبرک حاصل کرتے  
 تھے۔

## تیسرے اصول کی شرح کا خلاصہ

۱- بعثت رسول کے وقت جن معبودوں کی عبادت اور پوجا ہوتی تھی وہ مختلف و متنوع تھے صرف بتوں کی عبادت ہی پر محدود نہیں تھا، بلکہ انبیاء و صالحین وغیرہ بھی پوجے جاتے تھے، اسی بنا پر شرک سے متعلق نازل آیات اپنے عموم پر باقی رہیں گی، اور ان تمام معبودوں کو شامل ہوں گی جو اللہ کے علاوہ پوجے جائیں، نیز انہی میں سے بزرگوں کی پوجا بھی ہے۔

۲- اللہ کے علاوہ عبادت کرنے والے سے جنگ کا عمومی حکم ہے، یعنی جس کسی کی بھی پوجا کی جائے، چاہے وہ فرشتہ ہو یا نبی یا بزرگ، اس کے خلاف موقف اختیار کیا جائے گا۔

۳- قبر کے پجاریوں کے مسلک کا رد و ابطال اس حیثیت سے کہ انہوں نے شرک کے بارے میں نازل آیتوں کو بتوں کی پوجا کے ساتھ محدود کر دیا تاکہ بزرگوں کی عبادت کر سکیں۔

## چوتھا اصول

ہمارے دور کے مشرک پرانے زمانوں کے مشرکین سے کہیں زیادہ سخت مشرک ہیں، کیونکہ پرانے زمانے کے مشرک خوش حالی کے زمانے میں شرک کا ارتکاب کرتے تھے، اور پریشانی و مشکلات کے وقت خالص اللہ کو پکارتے تھے، جب کہ ہمارے زمانے کے مشرک خوشی و غمی، اور خوشحالی و پریشانی ہر وقت شرک کا ارتکاب کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (العنكبوت: ۶۵) ”پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں، اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں“، واللہ اعلم، و صلی اللہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

## چوتھے اصول کا معنی و مفہوم:

یہ اصول نہایت واضح اور صاف ہے مگر غم اور فکر کی بات یہ ہے کہ سب سے اچھے اور بہتر، دین اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والوں کا شرک گزشتہ اقوام کے شرک سے کہیں زیادہ آگے ہے، اور یہ غمی اور خوشی ہر حال میں شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں، جب کہ پرانے زمانہ کے مشرکین صرف مشکلات و تکالیف اور خوف و دہشت کے وقت اپنی دعائیں صرف اور صرف ایک بلند و برتر اللہ سے کرتے تھے۔

## اس اصول کا مفہوم:

امام مصنف رحمہ اللہ نے اصول بیان کرنے کے دوران ہی اپنا مقصد و مقصد بیان کر دیا، آپ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دور کے مشرک کا شرک پرانے زمانے مشرکین کے شرک سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہمارے زمانے کے مشرکیں عہد نبوت کے کفار و مشرکین سے کہیں زیادہ آگے بڑھ گئے، اس طور پر کہ عہد نبوت کے کافر و مشرک فرشتے، اولیاء، اور بزرگوں کو پکارتے، اور ان کی شفاعت و تقرب کے خواہاں تھے، وہ اس بات کا اقرار کرنے والے تھے کہ سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ غیر اللہ کو صرف خوشحالی کے دنوں میں پکارتے تھے، لیکن جب پریشانی آتی تو صرف اللہ کو پکارنے میں لگ جاتے (الدرر السنیۃ: ۱/۶۷)۔

مصنف رحمہ اللہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ بعد کے لوگوں کا شرک پہلے لوگوں کے مقابلے میں کیوں سخت ہے، تو اس کی دو وجہ ہے:

۱- زمانہ ماضی کے لوگ صرف خوشحالیوں میں شرک کرتے، اور فرشتوں، ولیوں اور بتوں کو پکارتے تھے۔

۲- گزشتہ زمانہ کے لوگ اللہ کے ساتھ ان لوگوں کو پکارتے تھے جو اللہ

کے مقرب ہوتے تھے جیسے انبیاء، اولیاء، فرشتے، یاد رختوں اور پتھروں کو پکارتے جو اللہ کے مطیع و فرمانبردار ہوتے، اور اس کے نافرمان نہ ہوتے تھے، لیکن بعد کے مشرک اللہ کے ساتھ ایسے لوگوں کو پکارتے ہیں جو لوگوں میں سب سے بڑے فاسق و فاجر تھے، اور جو لوگ انہیں پکارتے ہیں وہی ان پر زنا، چوری اور بے نمازی ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔  
(کشف الشہات: ۲۹-۳۰)۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے قرآنی آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ گزشتہ دور کے مشرک پریشانی و مشکلات کے وقت صرف تنہا اللہ کو پکارتے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِكِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ﴾ (العنكبوت: ۶۵)۔ ”پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں، اس کے لیے عبادت کو خالص کر کے، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔“

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں خبر دی کہ وہ مجبوری اور پریشانی کی حالت میں صرف ایک اللہ ہی کو پکارتے تھے جس کا کوئی شریک نہیں تو یہ ان سے ہمیشہ کیوں نہیں ہوتا..... یعنی ہر حال میں اور ہر وقت ایک اللہ ہی کو پکارتے۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا، تو وہ مکہ سے بھاگ نکلے جب حبشہ جانے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے تو بیچ سمندر میں کشتی ہچکولے کھانے لگی، کشتی میں سوار لوگوں نے کہا: اے لوگو! اپنے رب سے خالص دعا کرو، کیونکہ اس مصیبت سے اس کے علاوہ کوئی نجات نہیں دے سکتا، عکرمہ فرماتے ہیں کہ میں نے غور کیا کہ جب سمندر میں اللہ کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں تو پھر خشکی پر بھی اس کے علاوہ کوئی نجات دینے والا نہیں، پھر میں نے کہا: اے اللہ! میں

تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں اگر تو نے مجھے یہاں سے نجات دے دی تو میں ضرور جا کر اپنا ہاتھ محمد کے ہاتھ میں رکھ دوں گا، یقیناً میں نے انہیں بڑا مشفق اور رحم دل پایا ہے، پھر ایسا ہی ہوا (تفسیر القرآن العظیم: ۴۰۶/۴)۔

امام محمد بن عبد الوہاب کا دور گزرنے، اور نیا دور آنے، نیز پرانے لوگوں کے ختم ہو جانے اور پرانی صورت حال کے گزر جانے کے بعد کیا کوئی یہ گمان کر سکتا ہے کہ شرکیہ عقائد والوں کے مرنے کے بعد ان کی موت کے ساتھ ساتھ ان کے یہ عقائد بھی دفن ہو گئے، ایسا ہرگز نہیں، بلکہ یہ ایک ایسا واضح معاملہ ہے جس کے لئے کسی دلیل یا اس کی وضاحت کی کوئی ضرورت ہو، بلکہ یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ذہن و دماغ میں کوئی چیز کیسے صحیح ہو سکتی ہے

جب روشن دن کے لئے دلیل کی ضرورت ہو

مسلم ممالک کے بعض مقبروں اور مزاروں کی زیارت سے یا

میلاد (پیدائش) کی مجالس میں حاضری سے آپ کو بخوبی علم ہو گا کہ



لوگوں کے دل مردوں سے کس قدر جڑے ہوئے ہیں اور پریشانیوں کے وقت وہ کس قدر ان کو پکارتے ہیں۔

دین و ہدایت کی غربت کی شکایت میں اللہ ہی سے کرتا ہوں ☆ اور صبح و شام آنے جانے والوں کے بیچ اس کے فقدان کی بھی شکایت کرتا ہوں، دین جیسے شروع میں بے یار و مددگار ظہور پذیر ہوا تھا، پھر اسی طرح بے یار و مددگار ہو گیا ہے ☆ اس لیے اہل علم و ہدایت کو دین کی بری حالت زار پر آنسو بہانا چاہئے۔

یہ حالت عام آدمی کی ہے، عجب نہیں اگر ایسا شخص بھی ہو جو ان کے لئے ابو جہل و ابو لہب کے دین کو مزین کر کے پیش کرے ان میں سے ایک شخص یہ کہتا ہے:

جونبی یا ولی کی قبر پر تواضع اور انکساری کا مظاہرہ کرے، اور اس سے وسیلہ پکڑے، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی، کیونکہ صرف، نداء، استغاثہ، خوف و امید کو شرعی عبادت کا نام نہیں دیا جاسکتا گرچہ اسے لغوی طور پر عبادت کا نام دیا گیا ہو۔

تو دعا کی ساری قسمیں عبادت نہیں ہیں، ہاں جب ہم اس اعتقاد کے ساتھ ان کو پکاریں کہ ان میں صفاتِ ربوبیت یا ان میں سے کوئی ایک صفت پائی جا رہی ہو (التنزیہ بمن عدد التوحید: ۲۵)۔

کیا یہ بات ایک مسلمان کی ہے چہ جائیکہ یہ بات ایک ایسا شخص کہے جو اپنے کو علماء کی جماعت سے منسوب کر رہا ہو، انکساری، استغاثہ، خوف و امید و دعا کیا شرعی عبادت نہیں۔

کیا انہیں اس کا علم نہیں کہ قلبی عبادتیں یہی ایمان کا اصول، دین کی بنیادیں، اور اعضاء و جوارح کے عمل کی اساس ہیں، اور یہ تمام مخلوق پر واجب ہے جو حکم الہی کے مکلف ہیں، نیز اس پر تمام ائمہ دین کا اتفاق ہے (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (غافر: ۶۰)۔ ”اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں، وہ ابھی

ابھی ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔“

دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْأَلْفِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾ (الأنفال: ۹)۔ ”اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا، جو لگا تار چلے آئیں گے۔“

نیز اللہ جل وعلا نے فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۱۱۰)۔ ”تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے، اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔“

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا: ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونَ إِيَّاهُ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۷۵)۔ ”تم ان کافروں سے نہ ڈرو، اور میرا خوف رکھو، اگر تم مومن ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ﴾ (الأنبياء: ۹۰)۔ ”اور یہ بزرگ لوگ نیک کاموں کی طرف جلدی کرتے تھے، اور ہمیں لالچ طمع اور ڈر خوف سے پکارتے تھے، اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔“

قبر کے پجاریوں کے متعلق اس سے سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے، انسان اپنے دل میں کوئی چیز چھپائے رکھتا ہے جس کا اسے خود شعور نہیں ہوتا، اور اکثر اس کے دل میں کوئی چیز پوشیدہ اعتقاد پر مشتمل ہوتی ہے جس کا اسے احساس نہیں ہوتا، اس سے قریب تر مثال میرے نزدیک کوئی نہیں کہ لوگ اپنے حاجات و مقاصد کے حصول کے لئے قبر میں دفن مردوں سے ایسی التجا و درخواست کرتے ہیں، اور وہ اپنے معبود برحق کی طرح ان سے عاجزی سے دعا کرتے ہیں، اس پر جب انہیں کوئی تنبیہ کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے، ہم تو فقط انہیں اللہ تک پہنچنے کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔

حقیقت میں معبود کی معبودیت کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ بندہ اس کے سامنے عاجزی و انکساری کے ساتھ، سہمے و لرزے انداز میں کھڑا ہو کر اس سے مدد مانگے، اسی بنا پر وہ فی الواقع ان مردوں کی پوجا و بندگی کرنے والے بنے، حالانکہ انہیں اس کا ذرا بھی شعور و احساس نہیں، اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بھی خوش بختیوں سے نہیں نوازتا کہ وہ کسی آفت کا شکار ہو کر مصیبت میں گرفتار ہوں، اللہ کو یاد کرنے سے پہلے پتھروں کو یاد کرنے لگیں، اور اللہ کو پکارنے سے پہلے درختوں کو پکارنے لگیں۔

آپ لوگ صبح و شام یہی رٹ لگائے رہتے ہیں کہ اسلاف کرام کی اتباع میں ہر طرح کی خیر و بھلائی ہے، اور بعد کے لوگوں کی بدعتوں کی اتباع ہر طرح کا شر و فساد ہے، تو کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ سلف صالحین قبروں کو پختہ بناتے تھے، قبروں کا وسیلہ پکڑتے تھے، کیا آپ کو اس کا بھی علم ہے کہ اسلاف میں سے کوئی بھی نبی ﷺ کی قبر پر یا آپ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی آپ پر یا آل بیت کی قبر پر بیٹھ کر حاجت روائی یا مشکل کشائی کی درخواست و التجا کی، کیا آپ کو اس کی بھی

جانکاری ہے کہ رفاعی، دسوقی، جیلانی اور بدوی اللہ کے نزدیک انبیاء و رسل، صحابہ و تابعین سے زیادہ مکرم و معظم اور اللہ کے لئے وسیلہ پکڑنے میں بڑے معظم ہیں، آپ سب یہ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب مجسمہ لگانے سے منع فرمایا تو یہ محض فضول، کھیل و تماشاً تھا، یا اس اندیشہ کے پیش نظر کہ مسلمانوں میں وہی پہلی جاہلیت واپس نہ آجائے؟ تصویر و مجسمہ اور مزارات و قبور کے درمیان کیا فرق ہے، جب کہ ان میں سے ہر ایک شرک تک پہنچاتے ہیں، اور عقیدہ توحید کو برباد کرتے ہیں (النظرات لمصطفیٰ المنفلوطی: ۸۱/۸۵)۔

## چوتھے اصول کی شرح کا خلاصہ

۱- بعد کے دور کے شرک کرنے والے پہلے دور کے کفار و مشرکین سے زیادہ شرک میں سخت ہیں۔

۲- قبروں کی پوجا اس دن تک باقی رہے گی جب تک اسے مزین کرنے والے اس کی طرف دعوت دینے والے لوگ موجود رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ فہم توحید کے چاروں بنیادی اصول و قواعد پر مشتمل رسالہ کی شرح و توضیح کا کام ختمام کو پہنچاوا الحمد لله رب العالمین،  
والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه  
أجمعين.



## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین کتاب	صفحہ نمبر
۱	مقدمۃ الشارح.....	۵
۲	”الکریم“ کا معنی اور مفہوم.....	۱۳
۳	”العرش“ کا معنی اور مفہوم.....	۱۴
۴	عرش الہی کے بعض اوصاف.....	۱۴
۵	”المجد“ کی تعریف.....	۱۵
۶	”الکرم“ کی تعریف.....	۱۶
۷	”الولی“ کی تعریف.....	۱۶
۸	علم کا معنی اور مفہوم.....	۲۲
۹	رشد کی تعریف.....	۲۳
۱۰	ہدی اور رشد میں فرق.....	۲۴
۱۱	اطاعت کی تعریف.....	۲۴



۲۷	ملت کی تعریف .....	۱۲
۲۷	الحسین کا معنی و مفہوم .....	۱۳
۳۰	عبادت کتاب و سنت کی روشنی میں .....	۱۴
۴۲	معرفت کی تعریف .....	۱۵
۴۵	قواعد کی تعریف .....	۱۶
۴۶	پہلا اصول .....	۱۷
۴۷	پہلے اصول کا معنی و مطلب .....	۱۸
۴۸	پہلے اصول کے وضع کرنے کی وجہ .....	۱۹
۴۹	دلالت کی قسمیں .....	۲۰
۶۰	پہلے اصول کی شرح کا خلاصہ .....	۲۱
۶۱	دوسرا اصول .....	۲۲
۶۲	شفاعت کی قسمیں .....	۲۳
۶۳	شفاعت کا لغوی و اصطلاحی معنی .....	۲۴
۶۴	دوسرے اصول کا معنی و مفہوم .....	۲۵

۶۶	دوسرے اصول کے وضع کی وجہ.....	۲۶
۶۸	قاعدے دوم کا قرآنی آیتوں سے استدلال.....	۲۷
۷۰	شبه کا جواب.....	۲۸
۷۳	ناجائز شفاعت.....	۲۹
۷۴	جائز و مشروع شفاعت.....	۳۰
۷۶	شفاعت کے بعض اہم مسائل.....	۳۱
۷۷	نتیجہ.....	۳۲
۸۰	دوسرے اصول کی شرح کا خلاصہ.....	۳۳
۸۵	تیسرا اصول.....	۳۴
۸۸	سورج اور چاند کی پوجا.....	۳۵
۹۱	بعثت نبوی کے وقت فرشتوں کی پوجا.....	۳۶
۹۲	بعثت نبوی کے وقت انبیاء کی پوجا.....	۳۷
۹۳	بعثت نبوی کے وقت بزرگوں کی عبادت و بندگی.....	۳۸
۹۶	بعثت نبوی کے وقت درختوں اور پتھروں کی پوجا.....	۳۹

۹۸	تیسرے اصول کی شرح کا خلاصہ.....	۴۰
۹۹	چوتھا اصول.....	۴۱
۱۰۰	چوتھے اصول کا مفہوم.....	۴۲
۱۱۱	چوتھے اصول کی شرح کا خلاصہ.....	۴۳



ایڈیشن ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۱ء

تمام حقوق برائے سائٹ دارالاسلام محفوظ ہیں۔

اس کتاب کی عبارت کو بغیر کسی ترمیم و تبدیلی اور امانت و دیانت کی شرط

کے ساتھ نقل کرنے کی اجازت ہے

کسی قسم کے سوال یا تصحیح یا تجویز کے لیے درج ذیل سائٹ پر مراسلت کریں:

[www.islamhouse.com](http://www.islamhouse.com)

□

دفتر تعاون برائے دعوت و توعیۃ الجالیات، ربوہ

ٹیلیفون: ۴۴۵۴۹۰۰-۴۹۱۶۰۶۵

انٹرنیٹ سائٹ کا پتہ:

[www.islamhouse.com](http://www.islamhouse.com)

۱۴۳۲ھ-۲۰۱۱م

جميع الحقوق محفوظة

ويحق لمن شاء أخذ ما يريد من هذه المادة بشرط الأمانة في النقل وعدم التغيير في النص المنقول، والله الموفق.

لأي سؤال أو اقتراح أو تصحيح يرجى مراسلتنا من الموقع التالي:

[www.islamhouse.com](http://www.islamhouse.com)

المكتب التعاوني للدعوة وتوعية الجاليات بالربوة

هاتف: ٤٤٥٤٩٠٠ - ٤٩١٦٠٦٥

عنوان الموقع:

[www.islamhouse.com](http://www.islamhouse.com)